بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ۞ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

۞ جناب سمیع احمد صاحب ۞ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم | مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد: 3	اگست 2017ء	ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ	شمارہ: 34

ماہنامہ **ندائے قاسم**
Monthly **NIDA-E-QASIM**
Nafees colony, Baripath,
Mahendru, Patna-6
فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زرتعاون: 200/روپیہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919
مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726
مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120
مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,
PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,
RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919

فہرست مضامین

اداریہ	ایمان کی قیمت!	خالدانور پورنوی المظاہری	03
درس قرآن	آزمائشیں ایمان کی نشانی! گیارہویں قسط	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	08
درسِ حدیث	ہدیہ وتحائف	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	11
مقالات ومضامین	حج اوراتحاد بین المسلمین	حضرت مولانا محمد اسرارالحق قاسمی	14
	آ، تجھ کو بتاؤں میں، تقدیرِ اُمم کیا ہے؟	جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	19
	موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں	جناب مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	24
	ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور قربانی کے احکام ومسائل	جناب محمد نجیب قاسمی، ریاض	28
	قربانی، فدائیت کا بہترین نمونہ	جناب مولانا مصلح الدین قاسمی	35
	معاشرے کی اصلاح سے پہلے اپنی کمزوری دور کریں!	جناب ثنار احمد حصیر القاسمی	39
	مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کردے	جناب مولانا ندیم الواجدی	43
حج	سفرحج؛ بڑے نصیب کی بات ہے!	خالدانور پورنوی المظاہری	46
انمول باتیں	رشتوں میں محبت کیسے پیدا کریں؟	جناب حسین احمد عفی عنہ	50
یوم آزادی	10/مئی 1857ء کی جنگ آزادی کے کچھ بھلادیئے گئے حقائق	جناب ڈاکٹر اجمل فاروقی	52
	کھلونا سمجھ کر برباد نہ کرنا!	خالدانور پورنوی المظاہری	54
	جنگ آزادی 1857ء، ایک مختصر جائزہ	جناب ڈاکٹر محمود حسین	58
	جھانسی کی رانی لکشمی بائی ہندوستانی عورتوں کیلئے ایک مثال	آمنہ پروین مالیگاؤں	61
بزم ادب	ترانۂ ملی	علامہ اقبالؒ	63
شب وروز	علم وادب کا گہوارہ؛ جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ	ادارہ	64

E-Mail:-.nedaequasim@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!

کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448

اداریہ

ایمان کی قیمت!

خالدانور پورنوی المظاہری

ملک کا نقشہ بالکل بدلتا نظر آرہا ہے، سیکولرازم کی نئی تشریح اور نئی توضیح ہونے لگی ہے، جو کل تک ملک کے منظرنامہ سے بالکل غائب تھے، آج وہ حاکمِ وقت بنے بیٹھے ہیں، وہ سکہ جو کھوٹا تھا وہی رائج الوقت ہوگیا ہے، گنگا، جمنی تہذیب ملک کی خوبصورتی سمجھی جاتی تھی، اور اب خوبصورتی کا معیار ہی بدل گیا ہے، چہرے بھی وہی ہیں، شکلیں بھی وہی ہیں؛ ہاں مگر نظریہ میں بڑی تبدیلی آچکی ہے، محبت، الفت، اخوت و بھائی چارگی، ہمدردی اور خیرخواہی جو اچھے سماج کی علامت سمجھی جاتی تھی، اب نفرت، عداوت، دشمنی، آپسی رسہ کشی اور موقع پرستی بہترین سیاست تصور کی جاتی ہے۔

آئی پی ایس سنجیو بھٹ کا یہ ٹویٹ ہمیں بہت کچھ سوچنے، سمجھنے کی دعوت دیتا ہے، وہ اپنے ایک ٹویٹ میں لکھتے ہیں: ''جے شری رام اب ایک ایسا نعرہ ہوگیا ہے جیسا کہ چمبل کے ڈاکو ڈاکہ ڈالنے سے پہلے جے بھوانی کا نعرہ لگاتے تھے''، ان کی یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ یہ فیصلہ تو تجزیہ نگار کریں گے، مگر کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اور تو اور، اگر کوئی مسلمان بھی بی جے پی کا دامن تھام لیتا ہے تو وہ بہت زوردار انداز میں جے شری رام کا نعرہ لگانا اپنے لئے سب سے بڑی خوش نصیبی سمجھتا ہے۔ آخر کیوں؟

ریاستِ بہار کے نئے وزیر اقلیتی فلاح جناب خورشید عرف فیروز صاحب کا معاملہ بالکل تازہ، تازہ ہے، جب تک جدیو گٹھ بندھن کا حصہ تھی، کوئی مسئلہ نہیں تھا، جدیو، اور بی جے پی کا اتحاد ہوتے ہی خورشید صاحب پورے جوش و جذبہ کے ساتھ نہ صرف ''جے شری رام'' کا نعرہ لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ میں رحیم اور رام دونوں کو پوجتا ہوں (نعوذ باللہ) اور اپنی اس بات پر پوری مضبوطی کے ساتھ وہ دلیل بھی دیتے ہیں نظر آتے ہیں، اگر میرے جے شری رام کہنے سے دس کروڑ لوگوں کا بھلا ہوسکتا ہے، تو انصاف کے لئے اور بہار کی ترقی کیلئے میں جے شری رام کہتا رہونگا۔

حالانکہ خورشید صاحب نے امارت شرعیہ جاکر تجدید ایمان بھی کرلیا، اور مسلمانوں میں پھر سے اعتماد بحال ہونے کیلئے جناب مفتی سہیل احمد قاسمی صاحب سے تائیدی کلمات بھی حاصل کئے، مگر یہ سوال تو اپنی جگہ

برقرار ہے آخروہ کون سے مجبوری تھی کہ انہیں جے شری رام کہنا پڑا، کیا صرف جذبات میں، مجبوری میں، یا پھر کسی لالچ میں، مگر آگے جو اس نے کہا: ''دس کروڑ لوگوں کا بھلا ہوسکتا ہے، تو انصاف کیلئے اور بہار کی ترقی کیلئے میں جے شری رام کہتا رہونگا''۔ اس سے کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ بی جے پی کے گود میں جانے کیلئے جے شری رام کا نعرہ تو ضروری ہے ہی، انصاف اور ترقی کے لئے بھی یہ نعرہ لگانا ضروری ہے، آخر ایسا کیوں؟

ہندوستان میں مختلف سیاسی پارٹیاں ہیں، ہر ایک کے اپنے ایشوز ہیں اور اپنے اپنے مقاصد، مگر ہندوستان کی پہچان ان پارٹیوں کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ ہندوستانی عوام، اور یہاں کی سیکولرازم سے ہے، کانگریس، بی جے پی اور اس طرح کی دیگر چھوٹی، بڑی پارٹیاں اگر مٹی کے نیچے دفن بھی ہوجائیں، اس سے ہندوستان کو کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، ہاں اگر عوام سیکولرازم سے بھٹک جائیں، اکثریت کے ساتھ اقلیتیں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگیں، اکثریت واقلیت کے رشتہ میں دراڑ پیدا ہوجائے، یعنی ہندوستان کی اکثریت نفرت کی راج نیتی کو قبول کرنے کا عادی بن جائے، تو اس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اب ہندوستان میں خطرات کے بادل منڈلانے لگے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس برے دور میں بھی ہندوستان کی اکثریت اعتدال پسند، جمہوریت، سیکولرازم اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آنے والے کل کے بارے میں کچھ بھی کہنا یقیناً جلد بازی ہوگی، مگر آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہورہا ہے، اسے دیکھ کر کسی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی ہے، اگر یہ راج نیتی ہے کہ مذہب کے نام پر لوگوں کو بھڑکا دیا جائے، مذہب کے نام پر لوگوں کو بانٹ دیا جائے، گئو ماتا کا اتنا شور ہو کہ انسانوں کا قتل ہونا چیونٹی کے مسلنے سے بھی زیادہ آسان ہوجائے، جے شری رام، بھارت ماتا کی جے اس طرح کے دیگر جذبات کو مشتعل کرنے والے کفریہ اور شرکیہ جملے دیش بھکتی کی علامت تصور کیا جانے لگے تو پھر ایسی راج نیتی کو پھلنے، پھولنے کا موقع دیا جانا یقیناً ہندوستان کیلئے کسی بڑے خطرات سے کم نہیں ہے!

ہندوستان ایک سیکولر اسٹیٹ ہے، سیکولرازم اس کی بنیاد ہے، سیکولرازم کا ڈھانچہ مضبوط سے مضبوط تر بنا رہے، یہ تمام ہندوستانیوں کی ذمہ داری میں داخل ہے، اور سیکولرازم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر مسلمانوں نے بی جے پی پارٹی جوائن کر لی تو اسے جے شری رام، اور بھارت ماتا کی جے بولنے پر مجبور کیا جائے، انصاف اور ترقی اس وقت ہوگی جب کہ جے شری رام اور بھارت ماتا کا نعرہ لگائے، یہ سیکولرازم نہیں؛ بلکہ سیکولرازم کی

توہین ہے، دس کروڑ عوام کو خوش کرنے والی بات نہیں بلکہ 125 رکروڑ عوام کو دھوکہ دینا ہے، ان کے ساتھ فراڈ کرنا ہے، دلوں میں کچھ ہے، ظاہر میں کچھ اور، یہی تو نفاق ہے، کم از کم ایک مسلمان کیلئے نفاق کسی کینسر سے کم نہیں ہے، اسی لئے منافق کی سزا اللہ رب العزت کے یہاں کفار و مشرکین سے بھی زیادہ سخت ہے۔

ایک صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ اٹل بہاری واجپئی کے ایک پروگرام میں بہار کے ایک مسلم نیتا نے ''جے شری رام'' کا نعرہ لگایا، انہوں نے تو سوچا ہوگا کہ ایمان بیچنے کی قیمت لگ جائے گی، اور ہمیں کسی اچھے عہدہ پر فائز کر دیا جائے گا، مگر ہوا اس کا الٹا، اٹل بہاری جی کہنے لگے: تم کو جے شری رام بولنے کیلئے تھوڑی نا بی جے پی میں لایا گیا ہے، یہاں تو جے شری رام بولنے والے ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود ہیں، نعرہ لگانے کے بجائے تمہیں مسلمانوں کیلئے کام کرنا چاہئے!

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ اٹل بہاری بالکل دوسرے انسان ہیں، موجودہ بی جے پی پارٹی کے قائدین اور اراکین میں کوئی شخص بھی اس ذہنیت کے نظر نہیں آتے ہیں، اسی لئے انہیں سائڈ بھی کر دیا گیا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چند پیسوں، عزت، شہرت اور مقام و مرتبہ کیلئے ہم اپنا ایمان بیچ دیں، ایسا کرنا نہ صرف اپنے ایمان کے ساتھ سودا کرنا ہے بلکہ اپنی قوم کو بھی دھوکہ دینا ہے، جن کے ووٹ سے اسمبلی یا لوک سبھا تک پہونچے ہیں!

جو لوگ ایسا کہتے ہیں کہ جے شری رام، اور بھارت ماتا کی جے کہنا ہوگا، تبھی دیش بھکتی کی سند ملے گی، حقیقت میں یہ لوگ اس ملک کے دشمن ہیں، وہ اس ملک اور جمہوریت کے تانے بانے کو بکھیر دینا چاہتے ہیں، انہیں اس ملک کے آئین اور سنبھیدان پر بھروسہ نہیں ہے، ہم مسلمانوں میں جو لوگ بھی کسی بھی پارٹی کے ساتھ وابستہ ہوں ان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ انہیں بتائیں کہ اس طرح کے جملوں کا استعمال اسلام کے صراحتاً خلاف ہے، اور ہندوستان کا آئین اسلام پر عمل پیرا ہونے اور مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم کرنے کی ہمیں پوری آزادی دیتا ہے، اور سیکولرازم کا مطلب ہی یہی ہے کہ ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی دی جائے، اگر تمام مذاہب، اور اس کی تعلیمات کو کسی ایک مذہب میں ضم کر دیا جائے یا تمام مذاہب اور اس کے ماننے والوں کو ختم کر کے صرف ایک مذہب اور اس کے پیروکاروں کو ہندوستان میں زندہ رہنے کا حق دیا جائے تو یہ یقیناً سیکولرازم کے ساتھ کھلا ہوا مذاق ہوگا، جس کی اجازت نہ تو ہندوستان کے آئین نے

دیا ہے، اور نہ ہی ہندو مسلم، سکھ، عیسائی اور دیگر مذاہب کے ماننے والے اس پر رضا مند ہو سکتے ہیں!

ایمان کی دولت تو ایمان والوں کو نصیب ہوتی ہے، اور جسے یہ مل جاتی ہے وہ انسان خوش نصیب کہلاتے ہیں، ظلم وجور اور شیطانی حربوں کے ذریعہ ایمان والوں کو پریشان تو کیا جا سکتا ہے مگر ایمان میں تزلزل پیدا کر دیا جائے، یہ ناممکن ہے، ہاں یہ بات سچ ہے کہ ہمارے ایمان کو خریدنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، یا پھر ڈرا، دھمکا کر ایمان سے برگشتہ کرنے کی سازشیں چل رہی ہیں، اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، بلکہ اس سے تو ہمارے ایمان میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

ہم نے کبھی ڈرا ہے جو آج ڈر جائیں گے، ہم نے کبھی ایمان سے سمجھوتہ کیا ہے، جو آج کر لیں گے، اور آج کی یہ طاقتیں تو کچھ بھی نہیں ہیں، دنیا کا سپر پاور کہلانے والے رومی سلطنت کا فرمانروا، شاہ قیصر کے سامنے ہم نے گھٹنے نہیں ٹیکے ہیں، اور انہیں بھی ہماری بہادری، جرأت مندی کا اقرار کرنا پڑا ہے، ساڑھے چودہ سو سال پہلے رونما ہونے والا یہ واقعہ آج بھی تاریخ کی کتابوں میں درج ہے۔

عبداللہ ابن حذافہ ایک صحابی رسول ہیں، اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیدی بنے قیصر روم کے سامنے لائے جاتے ہیں، قیصر روم کہتا ہے: اے عبداللہ ابن حذافہ تو عیسائیت قبول کرلے میں تمہیں آزاد کر دونگا، عبداللہ ابن حذافہ نے پوری بے باکی کے ساتھ اس تجویز کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ واضح طور پر کہہ دیا جس چیز کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں، اس سے مرجانا ہزار درجہ بہتر ہے، قیصر نے جب ان کی بہادری دیکھی تو آدھی سلطنت کا وعدہ کر لیا اور یہ بھی کہا: میں تمہیں داماد بنالیتا ہوں بس تم عیسائیت قبول کرلو، بیڑیوں میں جکڑا ہوا یہ قیدی مسکرایا، اور کہہ دیا: اپنی ساری سلطنت مجھے دے دو، پھر بھی ایک لمحہ کیلئے دین محمدی سے میں انحراف نہیں کر سکتا ہوں، جب لالچ سے بات نہ بنی تو مارنے، کاٹنے اور قتل کرنے کی دھمکیاں دینے لگا، اور غضبناک ہو کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا اس کو صلیب پر باندھ دو، اور تیراندازوں کو حکم دیا کہ اس کے ہاتھوں اور پیروں پر تیروں کی بارش کی جائے، قیصر روم نے سوچا کہ ڈر اور خوف کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ عیسائیت قبول کرلے، انہوں نے پھر ایک بار عیسائیت قبول کرنے کی دعوت دی، اس تکلیف دہ موقع پر بھی

عبداللہ ابن حذافہ نے اس دعوت کوٹھکرادیا، اور کسی بھی حالت میں ایمان کی سودے بازی سے انکار کردیا، قیصر روم نے دیکھا کہ یہ کسی بھی طرح ماننے والانہیں ہے، اس نے حکم دیاایک بڑی دیگ لاکراس پرتیل گرم کیاجائے، تیل ابلنے لگا، شاہ روم نے دومسلمان قیدیوں کواس میں ڈالدیا، جل کرکوئلہ ہوگئے، پھرابوحذافہ صحابی رسول کی طرف متوجہ ہوئے، اورعیسائیت قبول کرنے کی دعوت دی، اور کہہ دیاتمہارابھی یہی حال ہوگا، مگروہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، سختی سے انکار کردیا، اوراپنے موقف پرڈٹے رہے، دیگ کے قریب لایا گیا، صحابی رسول کی آنکھ سے آنسوجاری ہوگئے، قیصر نے سوچا کہ ابوحذافہ ڈرگیا، درباریوں سے کہا: میرے قریب لاؤاور پھرعیسائیت قبول کرنے کی دعوت دی، مگر پھرانہوں نے انکارکردیا، قیصر نے پوچھا: پھرتم روکیوں رہے ہو؟ صحابی رسول نے جواب دیا: میں موت کے خوف سے نہیں رورہاہوں؛ اس لئے کہ موت وحیات کامالک تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، میں اس لئے رورہاہوں کہ میرے جسم میں جتنے بال ہیں، اتنی میری جانیں ہوتیں، اورمیں سب بالوں کوکھولتے ہوئے تیل میں ڈال کراللہ کی راہ میں قربان کردیتا، یہ سن کر قیصران کی بہادری اور جرأت مندی پر حیران رہ گیا، اور کہنے لگا: میرے سرکابوسہ لے لومیں تمہیں آزاد کردونگا، ابوحذافہ نے پوچھا: قیدیوں کوبھی رہاکردوگے؟ اس نے اقرارکیاہاں قیدیوں کوبھی رہاکردونگا، ابوحذافہ قیصر کےقریب آئے اوراس کےسرکابوسہ لیا، قیصر روم نے حسب وعدہ عبداللہ ابن حذافہ اوران کے تمام ساتھیوں کوآزادکردیا۔

یہ ہے ہماری تاریخ، جس پرہمیں کل بھی نازتھااورآج بھی نازہے، اورہمیں فخرہے کہ ہم ہندوستانی ہیں اورہم ایمان والے بھی ہیں، ہاں جولوگ بے ایمان ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کوبھی بے ایمان بنادیں، یعنی توحیدوالوں کوبھی انہیں چندخداؤں کی پرستش میں لگادیں، دولت ایمان میں ڈاکہ ڈالنے والے اسلام مخالف طاقتیں یہ بات نوٹ کرلیں کہ یہ ان کی کل بھی بہت بڑی بھول تھی، اوریہ بھول آج بھی دہرا رہے ہیں، بھلاایک طرف جنت ہو، دنیوی مال ومتاع کے چکرمیں ایک مسلمان جہنم کیسےاختیارکرسکتاہے!

نورخداہے کفرکی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایانہ جائیگا

nedaequasim@gmail.com-9934556027

درس قرآن

العنکبوت - گیارھویں قسط

آزمائشیں ایمان کی نشانی!

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○(۲۴)

سوان کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے: ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو، سو اللہ نے ان کو اس آگ سے بچالیا، بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں۔

تشریح: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کو نصیحت کر چکے، تو قوم نے جواب دیا: کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو قتل کر دو یا آگ میں جلا دو اور دیکھو کہ اس کا معبود ہم کو جلانے سے کیسے عاجز کرتا ہے؟ غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت اور موعظت کا اثر بد بخت قوم پر یہ ہوا کہ قتل کرنے اور جلانے کا مشورہ کرنے لگے۔ آخری مشورہ یہ ہوا کہ ان کو جلا دیا جائے، عظیم آگ تیار کی گئی اور منجنیق کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا، رب العالمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دی، آگ کے ضرر سے ان کو محفوظ کر دیا، وہ آگ اُن کے حق میں ''بردوسلام اور باغ و بہار'' ہوگئی، یہ سب اللہ کی قدرت سے ہوا، ان لوگوں کیلئے بڑی نشانی ہے جو خدا کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں۔

یہاں سے ایک نکتہ معلوم ہوا کہ آگ بذات خود کسی کو جلانے کی طاقت نہیں رکھتی، جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو، آگ اور پانی میں جو حرارت اور برودت نظر آتا ہے وہ آگ اور پانی کی ذات اور طبیعت کا ذہنی اقتضاء نہیں؛ بلکہ اللہ کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے۔ بحر قلزم اپنی ذات کے اعتبار سے وسیع و عریض تھا، مگر جب موسیٰ علیہ السلام گذرے تو رحمت بن گیا، فرعون اور فرعونیوں کیلئے مصیبت و ہلاکت بن گیا، اگر بتوں میں یہ قدرت ہوتی تو آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی نہ بننے دیتے؛ مگر وہ بد بخت اللہ کی قدرت کے کرشمے اور کرامت کو دیکھ کر تب بھی ایمان نہ لا سکے۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

اور ابرہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے، بس یہ تمہارے باہمی دنیا کے

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۙ وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○(۲۵)

تعلقات کی وجہ سے ہے، پھر قیامت میں تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہوجائیگا، ایک دوسرے پر لعنت کریگا، تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

تشریح: جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلے تو قوم کو نصیحت فرمائی، اور وعظ میں یہ فرمایا: کہ تم نے خدا کو چھوڑ کر بتوں کو معبود تجویز کر رکھا ہے، بس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اگر آدمی اپنے تعلقات، دوست اور رشتہ داروں کے طریق پر رہتا ہے، اور اس وجہ سے حق بات میں غور نہیں کرتا اور حق کو سمجھ کر بھی ڈرتا ہے کہ سب دوست اور رشتہ دار چھوٹ جائیں گے۔ پھر قیامت میں تمہارا یہ حال ہوگا کہ تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہوجائیگا اور دوسرے پر لعنت کریگا۔

یہ سب دوستیاں اور محبتیں چندروزہ ہیں، قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بنوگے اور بعض بعض کو لعنت کروگے۔ حضرت شاہؒ لکھتے ہیں: یعنی وہ شیطان جن کے نام کے تھان ہیں اللہ کے روبرو منکر ہونگے کہ ہم نے نہیں کہا کہ ہم کو پوجو! تب یہ پوجنے والے ان کو لعنت کریں گے کہ ہماری نذرونیاز لیکر وقت پر پھر گئے۔ (بحوالہ ترجمہ شیخ الہند: ۵۳۱)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○(۲۶)

صرف لوطؑ نے ان کی تصدیق فرمائی اور ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگا کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤنگا، بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔

تشریح: جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے صحیح سالم نکلنا دیکھ لیا تو نمرود نے ابراہیم سے یہ درخواست کی کہ آپ یہ ملک چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں، تو ابراہیم علیہ السلام انتہائی بشاشت کے ساتھ فرمایا: ''اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' میں اپنے پروردگا کی بتلائی ہوئی جگہ کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤنگا، بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے، وہ میری حفاظت کریگا، اور مجھ کو اس کا ثمرہ دیگا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وحی الٰہی کے مطابق بنیت ہجرت روانہ ہوگئے، حضرت سارہ علیہا السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی ہجرت میں ساتھ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو دین کیلئے ترک وطن اور ہجرت اختیار کرنی پڑی، ان کی ہجرت دنیا میں سب سے پہلی ہجرت تھی، جو ۷۵/سال کی عمر میں ہوئی۔

''فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْط '' حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، آتش نمرود میں ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر سب سے پہلے یہ مسلمان ہوئے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ	اور ہم نے ان کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عنایت فرمایا
وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ	اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم رکھا
وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي	اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور
الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝(۲۷)	آخرت میں بھی نیک بندوں میں سے ہونگے۔

تشریح: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو کفر کی وجہ سے چھوڑا اور تمام خویش واقارب سے مفارقت اختیار کی تو ہم نے اس کے صلہ میں دنیا میں ان کو تمام مخلوق میں مقبول وامام بنا دیا، یہودی، نصرانی، بت پرست سبھی ان کی عزت کرتے ہیں، اور اپنا مقتدا مانتے ہیں، اور آخرت میں وہ صالحین اہل جنت میں سے ہونگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی اصل جز تو آخرت میں ملے گی، مگر اس کا کچھ حصہ دنیا میں نقد دیا جاتا ہے۔ احادیث میں موجود ہے کہ بہت سے اچھے اعمال کے دنیوی فوائد اور بُرے اعمال کے دنیوی مفاصد کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز بڑھاپے کی حالت میں اسحٰق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا کیا، تاکہ اولاد صالح سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اس سفر ہجرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نہ تھے، بلکہ بحکم خداوندی اس سے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے تھے، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چودہ برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔

''وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ'' غرض یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کے بعد اولاد صالح عطا فرمایا اور مزید برآں یہ فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت اور آسمانی کتاب کو رکھ دیا، آئندہ جس کو نبوت اور کتاب ملے گی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا۔ چنانچہ نبوت میں ابتداء میں بنی اسرائیل میں رہی، پھر اخیر میں بنی اسماعیل میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ مبعوث ہوئے، اور نبوت آپ پر ختم ہوگئی، تورات، انجیل، زبور، قرآن اور یہ تمام آسمانی کتابیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر اتریں۔

❍❖❍

درس حدیث

ہدیہ وتحائف

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ ٥(رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں ہدیے تحفے بھیجا کرو، ہدیے تحفے دلوں کے کینے ختم کردیتے ہیں۔

تمدنی زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کردی جائے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اس کی بڑی ترغیب دی ہے، اس کی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دلوں میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے، جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت وسکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق خاطر ظاہر کرنے کیلئے دیا جائے اور اس کے ذریعہ رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے، اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ اِزدیادِ محبت کا وسیلہ ہے، اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی تطییب خاطر کا ذریعہ ہے اور اگر اپنے کس بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے اور ''نذرانہ'' ہے۔

اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہوگا صدقہ ہوگا۔ ہدیہ جب ہی ہوگا جبکہ اس کے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلق خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اس کے ذریعہ رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوگا۔ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ شکریہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے دوسروں کو مرحمت فرمادیتے تھے۔

آج امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کے لین دین کا رواج بہت ہی کم ہوگیا ہے، بعض خاص حلقوں میں

بس اپنے بزرگوں، عالموں، مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں وغیرہ کے ہاں ہدیہ بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب میں محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواری اور زندگی میں چین وسکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضاء الٰہی حاصل کرنے کیلئے یہ رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا ''نسخۂ کیمیا'' ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ: تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِیَّةَ تُذْهِبُ وَحْرَ الصَّدْرِ وَلَا تُحَقِّرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسَنِ شَاةٍ۔(رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو، ہدیہ سینوں کی کدورت ورنجش دور کردیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کیلئے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔

ہدیے تحفے دینے سے باہمی رنجشوں اور کدورتوں کا دور ہونا، دلوں میں جوڑ، تعلقات میں خوشگواری پیدا ہونا بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زرین ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ اضافہ ہے کہ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کیلئے بکری کے کھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا ہی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائیگا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئیگی۔ اس لئے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کیلئے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیج دیا جائے۔

واضح رہے کہ یہ ہدایت اُس حالت میں جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کریگی اور اس کو اپنی توہین وتذلیل نہ سمجھے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ماحول ایسا ہی تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: یَقْبَلُ الْهَدِیَّةَ وَیُثِیْبُ عَلَیْهَا۔(رواه البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول ودستور تھا کہ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی محبّ ومخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان'' کے مطابق اُس ہدیہ دینے

والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے، خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس بندے کے ہاتھ سے کوئی ہدیہ تحفہ کوئی نعمت ملے یا وہ کسی طرح کا بھی احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کیلئے کلمہ خیر کہا جائے، تو جس نے ایسا نہیں کیا اُس نے خدا کی بھی ناشکری اور نافرمانی کی۔

بعض شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو احسان کرنے والے بندوں کا شکر گذار نہ ہوگا وہ ناشکری کی اس عادت کی وجہ سے اللہ کا بھی شکر گذار نہ ہوگا۔ اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ''جَزَاکَ اللّٰهُ خَیرًا'' کہا جائے، جیسا کہ اسامہ بن زید والی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی پر کسی نے کوئی احسان کیا اور اس نے اس محسن کیلئے یہ کہہ کر دعاء دی: ''جَزَاکَ اللّٰهُ خَیرًا'' اللہ تعالیٰ تم کو بہتر بدلہ اور صلہ عطاء فرمائے، تو اس نے اس دعائیہ کلمات کے ذریعہ اس کی پوری تعریف کردی۔ ''جَزَاکَ اللّٰهُ خَیرًا'' صرف دعائیہ کلمات ہی نہیں، بلکہ اس کا اقرار واعتراف بھی ہے کہ میں اس کا بدلہ دینے سے عاجز ہوں، بس میرا پروردگار ہی تم کو اس کا اچھا بدلہ دے سکتا ہے، میں اس کا بدلہ دینے سے عاجز اور قاصر ہوں، میرا پروردگار ہی تم کو اچھا اور بہتر بدلہ دے سکتا ہے، اسی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس احسان کا اپنی شان عالی کے مطابق بہتر بدلہ عطاء کرے۔ ❍❖❍

قلم کاروں سے گذارش

- مضامین خوشخط ریا کمپیوز کیا ہوا، صاف اور سادے کاغذ پر ایک جانب ہوں۔
- مضامین تحقیقی، باحوالہ، معیاری، مواد سے پُر، فل اسکیپ کاغذ دو صفحہ سے زائد نہ ہوں۔
- مضامین کی اصل کاپی ہی ارسال فرمائیں۔ فوٹو کاپی اپنے پاس رکھیں۔
- نیز بذریعہ ای میل بھی مضامین ارسال کرسکتے ہیں۔

E-Mail:-.nedaequasim@gmail.com

جاری کردہ: دفتر ماہنامہ ندائے قاسم نفیس کالونی، مہندرو، پٹنہ

مقالات ومضامین

حج اور اتحاد بین المسلمین

حضرت مولانا محمد اسرارالحق قاسمی، صدر آل انڈیا ملی فاؤنڈیشن دہلی

اسلام میں اجتماعیت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔اس سلسلے میں قرآن کریم کی واضح آیات بھی موجود ہیں اور روشن احادیث بھی۔اسی طرح مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت قائم کرنے کیلئے عملی نظام بھی موجود ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّمَا المؤمِنُونَ اِخوَة'' تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اللہ رب العزت اجتماعیت کی مدد فرماتے ہیں۔''یَدُ اللّٰهِ عَلَی الجماعَةِ''۔اسلام میں بہت سی عبادتوں کو ایک ساتھ ادا کرنے کا حکم کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت واخوت قائم رہے۔ اب یہ سوال قائم ہونا لازمی ہے کہ اسلام میں اجتماعیت پر اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے؟ کیوں مسلمانوں کو اپنی صفوں میں اتحاد قائم کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے؟ دراصل اتحاد واجتماعیت کسی بھی قوم کی بقا کیلئے ضروری ہے۔ قومیں باہم جس قدر متحد اور مجتمع ہوتی ہیں، اُسی قدر وہ بااثر اور ناقابلِ تسخیر خیال کی جاتی ہیں۔اس کے برعکس جو اقوام وملل باہم اختلافات کی شکار ہو جاتی ہیں، ان کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے، ان کیلئے اپنی شناخت وتشخص کو بچا پانا مشکل ہو جاتا ہے۔کوئی قوم افراد کے اعتبار سے خواہ چھوٹی ہو لیکن اگر وہ متحد ہے تو اس کے مستقبل کے تابناک ہونے کے امکانات روشن رہتے ہیں۔مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی روشن مثالیں موجود ہیں۔رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد بڑی قلیل تھی، لیکن وہ باہم متحد تھے، تو اس چھوٹی سی تعداد نے بڑے بڑے معرکوں کو سر کیا۔تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں اسلام دنیا کے دور دراز کے علاقوں وملکوں میں پہنچ گیا، مختلف ممالک ایک کے بعد ایک مسلمانوں کے زیرِ نگیں آتے چلے گئے اور دنیا کی بڑی بڑی قومیں مسلمانوں کے سامنے بکھر کر رہ گئیں لیکن جب مسلمانوں میں اخوت وبھائی چارگی نہ رہی، وہ باہم لڑنے لگے، اپنے اپنے مفادات کیلئے اپنے ہی بھائیوں پر حملہ آور ہونے لگے تو دنیا سے مسلمانوں کا دبدبہ ختم ہو گیا اور چھوٹی چھوٹی قومیں بھی انھیں لقمۂ تر سمجھنے لگیں۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس پچاس سے زیادہ ممالک وملکتیں ہیں۔دنیا میں ان کی

تعداد سوا ارب سے بھی زائد ہے، مسلمانوں کے متعدد ممالک میں پٹرول، ڈیزل، تیل وگیس کے ذخائر موجود ہیں اوران کے پاس پُرتعیش زندگی گزارنے کیلئے وافر مقدار میں وسائل وذرائع ہیں مگراس کے باوجود دنیا کے منظرنامے پران کا کوئی اثر ورسوخ نہیں ہے، نہ صرف دنیا کی بڑی قومیں بلکہ چھوٹی چھوٹی قومیں بھی ان کا محاصرہ کرنے پر کمر بستہ نظر آتی ہیں اوراُن پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوششیں کرتی ہیں۔ایسی وارداتیں بھی سامنے آتی ہیں کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کوٹھیس پہنچانے کیلئے آئے دن اسلام پر بے ہودہ الزامات لگائے جاتے ہیں اورکبھی قرآن کوتو کبھی پیغمبراسلام ﷺ کونشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچے، وہ مشتعل ہوں اور پھران کو جانی ومالی نقصان سے دوچار کیا جائے مسلمانوں کی یہ دُرگت اس لیے ہوئی کہ وہ باہم متحد نہیں ہیں، چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بنٹ گئے ہیں۔کہیں برادریوں کے نام پران کے درمیان فاصلے قائم ہیں، کہیں مسلک کے نام پران کے مابین دوریاں پائی جاتی ہیں اورکہیں علاقائیت کے نام پر باہم دست وگریباں ہیں۔اس فرقہ بندی نے مسلمانوں کے شیرازے کوبری طرح متاثر کیا ہے۔

یہ زمانہ ایک دوسرے پرسبقت لے جانے کا ہے۔ہرقوم دنیاپراپنی بالادستی قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے، اسی لیے آگے بڑھنے اوردوسری قوموں کوپیچھے چھوڑنے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کیے جارہے ہیں، وہ قومیں جوصدیوں سے منتشر چلی آرہی تھیں، وہ اب ایک پلیٹ فارم پرجمع ہوکراپنی طاقت میں اضافہ کررہی ہیں مگرمسلمان ہنوز منتشر ہیں۔اقبال نے اس کانقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے ؎

یوں تو سید بھی ہو ، مرزا بھی ہوافغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ،دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان جاری اختلافات کے خطرناک نتائج نے یہ ثابت کردیا ہے کہ جب تک مسلمان اپنی صفوں میں اتحادواجتماعیت قائم نہیں کریں گے،رُسوائی اورپسماندگی کی بیڑیاں ان کے

پیروں میں پڑی رہیں گی، حالانکہ برسہابرس سے جاری مسلمانوں کے درمیان قائم اختلافات کا ختم ہونا بظاہر آسان نظر نہیں آتا اور اس سلسلے میں کی جانے والی تدبیروں کے کارگر ہونے کے مضبوط امکانات بھی دکھائی نہیں دیتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے آپ کو اسلام کا پابند بنالیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، نیز اسلامی نظام کو اپنے درمیان اخلاص وجذبات کے ساتھ قائم کریں تو مضبوط اتحاد اور یگانگت ان کے مابین آسانی کے ساتھ قائم ہوجائے گی۔

اسلام میں عبادات پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے چار کا تعلق براہِ راست عبادت سے ہے۔ قرآن میں انسان کی پیدائش کا مقصد بھی عبادتِ الٰہی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا: ''وَمَاخلقتُ الجنَّ وَالانسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن ''اگر مسلمان خلوص نیت کے ساتھ عبادت کریں اور عبادت کے تقاضوں ومطالبوں کو پورا کریں تو ان کے درمیان اجتماعیت قائم ہوجائے گی۔ مثال کے طور پر پانچ وقت کی نمازیں مسلمانوں پر فرض کی گئی ہیں لیکن ان نمازوں کو اجتماعیت کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ دن رات میں پانچ بار ایک ہی وقت میں مسجد میں جمع ہونا، پھر ایک ہی ساتھ کاندھے سے کاندھا ملانا، ایک ہی ساتھ رکوع وسجود کرنا، اٹھنا اور بیٹھنا آپسی بھائی چارے کیلئے بڑا مؤثر ہے۔ محلّہ کی سطح پر اتحاد کے قیام کے بعد اس کے دائرے کو مزید اس طرح پھیلا گیا ہے کہ ہفتے میں ایک بار جمعہ کی نماز فرض کی گئی ہے اور اس نماز کو شہر کی جامع مسجد میں ادا کرنا زیادہ بہتر قرار دیا گیا۔ شہر کی جامع مسجد کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے تاکہ پورے شہر کے لوگ کم از کم ہفتے میں ایک بار جامع مسجد میں جمع ہوجایا کریں اور ایک ساتھ بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوجایا کریں، یقیناً یہ عمل بھی مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے قیام کیلئے بڑا مؤثر ہے۔ سال میں دومرتبہ عیدین کے مواقع پر دوگانہ نماز کی ادائیگی کیلئے عیدگاہ کا انتخاب اس لیے بھی بہترین ہے کہ وہاں نہ صرف ایک قصبے یا شہر کے لوگ جمع ہوں بلکہ قرب وجوار کی بستیوں وگاؤں کے مسلمان بھی اکٹھے ہوں، ایک ساتھ اللہ سامنے کھڑے ہوں، آپس میں کاندھے سے کاندھا ملائیں۔ اس موقع پر ایک دوسرے کو مبارکباد بھی پیش کریں اور ایک دوسرے کے احوال سے بھی واقف ہوں۔

عالمی سطح پر مسلمانوں کے درمیان اتحاد واجتماعیت قائم کرنے کیلئے باری تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے ایک بڑے اور بین الاقوامی اجتماع کا موقع حج کی شکل میں عنایت فرمایا۔ صاحبِ استطاعت افراد کو حکم دیا گیا

کہ وہ اپنے اپنے ملکوں وخطوں سے سفر کریں، بیت اللہ میں جمع ہوں جو امن وسلامتی کا مرکز ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حج کے ایام میں ہر خطے اور ہر ملک کے مسلمان بیت اللہ شریف میں مجتمع ہوتے ہیں اور مخصوص دنوں میں طواف کرتے ہیں، ارکانِ حج ادا کرتے ہیں، منیٰ میں جاتے ہیں، کوہِ صفا اور مروا پر دوڑ لگاتے ہیں۔ اسی اثنا میں انھیں ایک دوسرے کے ساتھ گفت وشنید اور باہم متعارف ہونے کا موقع بھی ملتا ہے۔ ان کے لیے اس بات کا موقع ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے حالات و واقعات ایک دوسرے کو بتا سکیں، ایک دوسرے کے مشورے حاصل کر سکیں۔ ساتھ ہی اس عظیم اجتماع سے یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان اللہ کے دربار میں برابر ہیں۔ وہاں نہ کوئی چھوٹا ہے، نہ بڑا۔ سب کو ایک ہی جیسے اعمال کرنے ہیں سب کو ''لَبَّیک اَللّٰھُمَّ لَبَّیک'' کی صدائیں بلند کرنی ہیں، سب کو احرام باندھنا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا ، نہ کوئی بندہ نواز

حج اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمان پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیں اور پورے طور پر اللہ کی اطاعت کریں۔ حج اس بات کا بھی تقاضہ کرتا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کمتر یا حقیر نہ سمجھے۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ وہ بڑا ہے یا امیر ہے، عہدیدار ہے یا شہرت یافتہ ہے اور دوسرا چھوٹا ہے یا غریب ہے یا عام آدمی ہے۔ جب انسان اپنے ذہن کو پاک صاف کر لے گا اور اپنی بڑائی کے خیال کو قلب سے نکال پھینکے گا تو مسلمان ایک دوسرے کے قریب آ جائیں گے۔ اتحاد و اجتماعیت کا جو ثبوت حجاج کرام حج کے موقع پر دیتے ہیں، وہی ثبوت اگر وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دیں تو مثبت اثرات ظاہر ہوں گے، اسی طرح جو چیزیں و باتیں وہ دورانِ حج سیکھتے ہیں، اگر اپنے اپنے خطوں وسوسائٹیوں میں جا کر دوسرے مسلمانوں کو بھی سکھائیں تو حج کی افادیت کا دائرہ پوری دنیا کے مسلمانوں پر پھیل جائے گا۔ افسوس! مسلمان حج کے ماحول کو اپنے وطن واپس لوٹ کر قائم نہیں رکھ پاتے اور اس پیغام کو عام نہیں کر پاتے جو انھیں دورانِ حج حاصل ہوتا ہے۔ حج کرنے والے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حج کرنے کے بعد حاجی ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے، یعنی اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور وہ پاک صاف مسلمان بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کا جو بندہ اس مقام پر فائز ہو جائے، اس کی یہ کوشش ہونی چاہئے

کہ وہ عوام الناس کے درمیان ایک پکا سچا مسلمان ہونے کا ثبوت بھی دے تا کہ دوسرے مسلمانوں کیلئے بھی اس کی شخصیت مفید ومؤثر ثابت ہو، مسلمانوں کی اکثر سوسائٹیوں میں ان لوگوں کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے جو حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ اگر تمام حجاج کرام لوگوں کے سامنے اسلام کی باتیں کریں گے اور جو تربیت انھوں نے حج کے دوران حاصل کی ہے، اُسے لوگوں میں تقسیم کریں گے تو سماج وافراد کی اصلاح کا موثر سامان فراہم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ اپنے اپنے علاقے کے مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دیں گے اور اسے اپنا مشن بنائیں گے تو اس کے مثبت اور بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔ کاش! حجاج کرام حج کے اس پیغام کو سمجھیں، اسے عام کرنے پر کمر بستہ ہوں اور اپنی کوششوں کو وقت کی ضرورت کے مطابق مسلمانوں کے درمیان اتحاد واجتماعیت قائم کر کے انہیں بحیثیت ایک امت وملت تقویت پہنچانے کا کام کریں۔

حج بیت اللہ کے موقع پر مسلمانوں کے درمیان عالمی اتحاد بھی ممکن ہے۔ اس لیے کہ ساری دنیا کے مسلمان وہاں جمع ہوتے ہیں، پھر ہر مسلمان بیت اللہ کا احترام بھی کرتا ہے۔ وہاں اگر اگر وسیع پیمانہ پر اتحاد واجتماعیت کی بات کی جائے تو موثر ثابت ہوگی۔ اس وقت عالمی اتحاد کی ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ مسلم ممالک کے مابین جس طرح کا اتحاد ہونا چاہئے، وہ نظر نہیں آتا۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ تنظیمیں اس طرح کی موجود ہیں جن سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلم ملکوں میں اتحاد ہے، لیکن جب اس اتحاد کی عملی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو یہ ممالک اپنی اپنی رائے کے ساتھ الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔ اگر کسی مسلم ملک میں حالات خراب ہیں تو یہ اس کا تعاون بھی کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ ایسے ہی کسی ملک میں مسلمانوں کو ستایا اور دبایا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ظلم ونا انصافی ہوتی ہے تب بھی وہ ہونٹوں پر انگلی رکھے رہتے ہیں۔ حالاں بحیثیت مسلم سارے مسلمانوں اور مسلم ملکوں کو دوسرے مقامات کے مسلمانوں کی بھی فکر ہونی چاہیے۔ اتحاد اور باہمی روابط نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے مالدار ممالک ان مسلم ملکوں کا تعاون بھی نہیں کر پاتے، جہاں غربت پائی جاتی ہے اور جہاں کے لوگ بڑی مفلوک الحالی میں زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ جب کہ ہونا یہ چاہئے کہ ایسے غریب ممالک اور مسلمانوں کی مالی امداد کی جانی چاہئے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق کی کوئی کوشش موثر ثابت نہ ہوئی تو آنے والے وقت میں مسلمان اور پیچھے ہو جائیں گے اور طرح طرح کے مسائل میں مزید گھر جائیں گے۔ حج بیت اللہ کے پیغام سے تمام عالم کے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ ❍❖❍

آ، تجھ کو بتاؤں میں، تقدیرِ اُمم کیا ہے؟

از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اعداءِ اسلام کے ساتھ جو معرکہ آرائیاں ہوئیں، ان میں غالباً سب سے سخت معرکہ ’غزوۂ احزاب، کا تھا، اس غزوہ میں تمام اسلام دشمن طاقتیں یکجا ہوگئی تھیں، اس میں مکہ کے مشرکین بھی تھے، قبیلۂ بنو غطفان کے جاں باز بھی ان کے دوش بدوش تھے اور مسلمانوں کے بغلی دشمن یہود بھی اس نازک وقت میں کھل کر مسلمانوں کی مخالفت میں سرگرم ہوگئے تھے، اس طرح بیس ہزار کا لشکرِ جرار مدینہ کی اُس مختصر آبادی کا محاصرہ کیے ہوا تھا، جو محض دو ڈھائی ہزار نفوس پر مشتمل تھی، یہ بڑا نازک وقت تھا؛ اسی لیے مسلمانوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ایرانیوں کے طریقۂ جنگ کے مطابق ایک گہری اور وسیع خندق کھودی، سامنے کی طرف سے یہ خندق تھی اور پشت کی طرف سے پہاڑ تھے؛ تاکہ دشمن مسلمانوں تک پہونچ نہ سکیں، تقریباً بیس دنوں تک مسلمان محاصرہ کی حالت میں رہے۔

جنگ کے موقع پر یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ فوجیوں کو غذائی رسد اور ضروری سہولتیں حاصل رہیں، تبھی وہ پوری قوت اور جوش وولولہ کے ساتھ حملہ کر سکتے ہیں اور اپنے دفاع کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں؛ لیکن صورتِ حال یہ تھی کہ یخ بستہ کر دینے والی ٹھنڈک اور اس کے ساتھ ساتھ غذا کی نہایت قلت، غذائی صورت حال یہ تھی کہ راوی نقل کرتے ہیں:

’’صحابہ کے پاس دو مٹھی جو لایا جاتا مزہ اتری ہوئی بدبودار چربی کے ساتھ اس کو ان کیلئے پکایا جاتا، جو لوگوں کے سامنے رکھ دیا جاتا، درانحالانکہ وہ بھوکے ہوتے۔‘‘ (صحیح البخاری)

مگر کیا مجال تھی کہ کبھی زبان پر شکوہ آئے، احتجاج ہو، یا بطورِ الحاح والتجاء ہی رسول اللہ ﷺ کے سامنے عرضِ مدعا کیا جائے، وہ ہمیشہ صبر وقناعت کا پیکر بن کر رہتے اور ہر حال میں ان کی زبان اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس سے تر رہتی، معمولی ہتھیاروں سے چٹان کے پتھروں کو توڑنا اور خشک پتھریلی زمینوں کو کھودنا آسان بات نہیں تھی؛ لیکن صحابہ کا حال یہ تھا کہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اپنا کام کیے جاتے، سخت جسمانی کام کرتے ہوئے بعض اوقات لوگ نعرہ لگاتے اور نغمے گاتے ہیں، یہ بات ان کیلئے کام کو آسان بناتی ہے اور

ان میں نیا جوش وولولہ بھر دیتی ہے، عربوں کے یہاں بھی اس کا رواج تھا؛ چنانچہ صحابہ اس موقع سے حوصلہ بڑھانے والے اشعار پڑھتے، ان اشعار کے لفظ لفظ سے رسول اللہ ﷺ سے ان کا عشق، اللہ کی قدرت پر بے پایاں یقین اور اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کا جذبہ اور صبر وقناعت کا عزمِ مصمم ظاہر ہوتا ہے، آپ بھی ان ایمان افروز اشعار کو پڑھیے جن کو امام بخاریؒ نے اپنے مجموعہ حدیث میں نقل کیا ہے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوا محمدا	''جب تک ہم زندہ رہیں گے اس وقت تک کیلئے ہم
عَلَى الجهادِ مَا بَقِيْنَا أبدا	نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی'' (صحیح البخاری)
وَاللّٰهِ لولا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا	''خدا کی قسم! اگر اللہ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتے
وَلا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا	تو ہم ہدایت نہیں پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے،
فَأنزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا	پس خداوندا! ہم پر سکینہ نازل فرمایئے
وَثَبِّتِ الأقدامَ إنْ لَا قِيْنَا	اور جب ہمارا مقابلہ دشمن سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھیے،
إنَّ الأُلىٰ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا	ان لوگوں نے ہمارے خلاف زیادتی کی ہے، جب انھوں
إذا أرَادُوا فِتنةً أَبَيْنَا	نے فتنہ پیدا کرنا چاہا تو ہم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔''

ایک طرف آپ ﷺ کے رفقاء پر فقر وفاقہ کی آزمائش ہے، دوسری طرف یہ جذبۂ سرفروشی اور جانبازی وجان نثاری بھی دوش بدوش ہے، اسی ماحول میں اسلام کا سورج جزیرۃ العرب کے افق پر طلوع ہوا، وہ بلندی کا سفر طے کرتا گیا؛ یہاں تک کہ اس کی کرنیں مشرق سے مغرب تک پھیل گئیں، اس پر ایمان لانے والوں کے ایک ہاتھ میں فولاد کی تلوار ہوتی تھی اور دوسرے ہاتھ میں اخلاق کی تلوار، ان کی زندگی میں اتنی سادگی اور قناعت تھی کہ انھیں متاعِ سیم وزر کی طرف دوڑنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، دنیا کے لوگ مال ودولت کے انبار کے ذریعہ اپنی شان وشوکت کے مصنوعی محل کھڑا کرتے ہیں؛ مگر ان کا رعب وجلال ان کی فقر ودُرویشی میں پنہاں تھا، بڑے بڑے بادشاہوں کو ان سے گفتگو کا یارانہ ہوتا تھا؛ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف دامن گیر نہیں تھا کہ میری امت معاشی اعتبار سے پسماندہ ہوجائے گی اور اس فقر وپسماندگی کی وجہ سے اسے ذلت ورسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا؛ بلکہ آپ کو ڈر اس بات کا تھا کہ یہ امت جد وجہد کے جذبہ سے محروم ہوکر عیش وعشرت میں مبتلا نہ ہوجائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم! مجھے تم پر فقر و محتاجی کا خوف نہیں ہے؛ لیکن میں تم پر جس بات کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم پر دنیا کی نعمتیں بچھا دی جائیں گی، جیسے تم سے پہلوں کے لیے بچھا دی گئی تھیں، پھر پچھلی قوموں کی طرح تم دنیا کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو گے اور جیسے دنیا کی حرص نے انھیں غفلت اور لہو ولعب میں مبتلا کر دیا تھا، کہیں تم کو بھی غفلت اور لہو ولعب میں مبتلا نہ کر دے۔'' (بخاری)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اپنے بعد تمہارے شرک میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہیں؛ لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا کی دولت میں تم ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرو گے'' (بخاری)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں آج عمومی طور پر مسلمانوں کا اور خاص طور پر مسلمان حکمرانوں کا حال دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کے بارے میں جس چیز سے ڈرتے تھے، آج امتِ مسلمہ عملی طور پر اسی مرض میں مبتلا ہے، گذشتہ ماہ ڈیڑھ ماہ سے عالم عرب میں آزادی اور جمہوریت کی جو لہر اٹھی ہے، اس نے زور زبردستی سے برسر اقتدار رہنے والے فرماں رواؤں کی نیند حرام کر دی ہے، ساتھ ہی بعض ایسے واقعات سے بھی پردہ اٹھ رہا ہے، جو اقتدار کی دبیز اور مضبوط دیواروں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے، جیسے تیونس کے آمر زین العابدین بن علی جب اپنے ملک سے فرار ہوئے تو اس طرح کہ سولہ ٹن سونے کی اینٹیں ان کے ساتھ تھیں، اس کے ساتھ مال و دولت کے اور جو خزانے لے جائے گئے ہوں گے، ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، مصر کے سابق صدر حسنی مبارک کی بیوی اور بیٹے کئی لدے لدائے جہازوں کے ساتھ مصر سے بھاگے اور خود حسنی مبارک کی دولت کا اندازہ کیا جائے کہ وہ دو بلین ڈالر سے بھی زیادہ ہے، لیبیا کے صدر کی صورت حال یہ ہے کہ ان کی دوسری بیوی دو ٹن سونا لے کر فرار ہو چکی ہیں، ان کی ایک محبوبہ جو یوکرین کی متوطن ہیں اور سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہا کرتی تھیں، وقت کے تیور کو دیکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ وہ دولت کا ایک انبار لے کر اپنے وطن پہونچ چکی ہیں، پھر قذافی کی عیاشی اور عشرت آرائی کا حال یہ ہے کہ ان کے ساتھ دو سو جوان اور نوجوان خاتون باڈی گارڈ ساتھ ہوتی ہیں اور یوکرین کی محبوبہ نرس کے طور پر ان کے ساتھ رہتیں، دولت جمع کرنے اور دادِ عیش دینے کی قریب قریب یہی صورت حال اکثر عرب ملکوں میں ہے، جہاں فرماں رواؤں نے عوام کو اپنا غلام اور ملک کو اپنی ذاتی جائداد سمجھ لیا ہے، افسوس ناک بات یہ

ہے کہ ان کی ہوسِ دولت کو پوری کرنے کیلئے ملک میں موجود بینک کافی نہیں ہوتے؛ اس لیے زیادہ تر مسلم حکمرانوں کے پیسے مغربی ممالک کے بینکوں میں محفوظ کیے گئے ہیں، ان ہی ملکوں میں انھوں نے سرمایہ کاری کر رکھی ہے اور یہیں بڑے بڑے قصور ومحلات واقع ہیں؛ اس لیے جب مغرب کے کٹ پتلی حکمرانوں کے خلاف ان کے ملک میں فضا بنتی ہے تو مغربی قوتیں مخالفین کی مدد کرتی ہیں اور ان کی طرف سے برپا کی جانے والی شورشوں کو تقویت پہونچاتی ہیں، ادھر ان کا تختِ اقتدار متزلزل ہوا اور اُدھر ان کے کھاتے منجمد کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی ساری دولت پر قبضہ جمالیا جاتا ہے، ان کے بعض 'بے نامی' کھاتے بھی ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کوئی ان کے بارے میں پوچھنے والا بھی نہیں ہوتا۔

ایک طرف عالمِ اسلام کی یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف ہمارے سامنے رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ایک چھوٹے سے ملک جاپان کی مثال ہے، مورخہ ۱۱/مارچ ۲۰۱۱ء کو جاپان میں زبردست سونامی آئی، جس کی مثال صدیوں میں نہیں ملتی، یہ ایسی سونامی تھی کہ آٹھ میٹر بلند سمندر کی سرکش موجیں آبادی میں گھس پڑیں اور پوری آبادی کو دھو کر رکھ دیا، مکانات اس طرح گر پڑے کہ گویا بچوں کے کھیلنے کے مٹی کے گھروندے ہوں، کاریں اور بسیں ماچس کی ڈبیوں کی طرح سڑکوں پر بہنے لگیں، سمندری سونامی کے ساتھ ساتھ زمین میں بھی زلزلہ آ گیا، اس کے نتیجہ میں تین نیوکلیرری ایکٹر اڑ گئے اور اس کی تابکاری کے اثرات ایک وسیع علاقہ میں پھیل گئے، ایک ہی وقت میں اس قوم کو زلزلہ، سونامی اور نیوکلیر حادثہ سے گذرنا پڑا؛ لیکن اس قوم نے اپنی حوصلہ مندی، جدوجہد اور قربانی کے ذریعہ ان حادثات کا مقابلہ کیا، نہ دنیا کی دوسری قوموں کے سامنے ہاتھ پھیلایا، نہ آہ وبکا کی اور نہ پست ہمت ہوئے، جس پامردی کے ساتھ انھوں نے حالات کا مقابلہ کیا ہے، وہ یقیناً ایک مثال ہے، اور بجا طور پر پوری دنیا میں ان کی ان کوششوں کو داد دی جارہی ہے، شاعرِ حقیقت شناس علامہ اقبالؒ نے خوب کہا تھا:

آ، تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے\
شمشیر و سنان اول، طاؤس و رباب آخر

یعنی جب کوئی قوم ترقی وعروج کا سفر طے کرتی ہے تو وہ تلواروں اور نیزوں سے مزین ہوتی ہے، وہ مشکل حالات کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے، وہ عیش وعشرت کے خاکوں میں رنگ بھرنے کے بجائے

جد وجہد کے میدان میں آگے بڑھتی ہے، اور جب قوموں کے زوال وانحطاط کا زمانہ آتا ہے تو وہ عیش و عشرت کے نقشے بنانے لگتی ہے اور رقص وسرود سے اپنے دل کو بہلانے کی عادی ہوجاتی ہے، یہی وہ بات ہے کہ جس کا رسول اللہ ﷺ اندیشہ رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کسی قوم میں خیانت اور بددیانتی پیدا ہوجاتی ہے تو وہ کم ہمت اور بزدل ہوجاتی ہے: ''**مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ الاَّ أُلْقِيَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبُ**'' (طبری:۲۹۶۲)

اس وقت عالم اسلام کی صورت حال یہی ہے کہ اپنی قوم کے ساتھ حکمرانوں کا معاملہ بدترین بددیانتی کا ہے اور صہیونی وصلیبی طاقتوں کے سامنے شرمناک بزدلی اور کم حوصلگی کا، عام مسلمانوں کی بھی صورت حال یہ ہے کہ وہ علم وتحقیق، محنت اور جدوجہد میں پیچھے ہیں اور عیش پرستی میں آگے، دوسری قومیں ہمیں دیکھتی ہیں اور خندہ زن ہوتی ہیں کہ یہ لٹی پٹی اور ذلیل ورسوا کی ہوئی قوم اپنی محرومی اور کم نصیبی کو بھول کر کس طرح دادِ عیش دے رہی ہے، کاش! ہم اس طرزِ عمل میں تبدیلی لائیں، اپنے اندر حالات کا مقابلہ کرنے اور جدوجہد کے ذریعہ آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کریں اور عیش وعشرت کے نقشوں کو تج کر، ایک باعزت اور آبرومند امت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر اپنے آپ کو لانے کی کوشش کریں۔ ❍ ❖ ❍

''لال قلعہ'' دہلی کا ایک اہم قلعہ ہے۔ دریائے جمنا کے نزدیک واقع لال قلعہ مغلیہ سلطنت کے سنہری دَور کی یادگار ہے، اسے سترویں صدی میں مغل بادشاہ شاہجہاں نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی قلعے کے دیوان خاص میں تخت طاس واقع ہے جہاں بیٹھ کر مغل بادشاہ ہندوستان کے طول وعرض پر حکومت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ 1857ء کی جنگ آزادی تک جاری رہا جب غدر کے دوران انگریز فوج نے دلی (دہلی) پر اپنے قبضے کے بعد اس وقت کے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو قلعے سے نکل جانے کا حکم دیا تھا اور انہیں شہر کے جنوب میں واقع قطب مینار کے احاطے میں منتقل کردیا تھا۔ 1857ء سے لیکر 1947ء تک لال قلعہ برطانوی فوج کے قبضے میں رہا اور اس میں انہوں نے اکثر ہندوستانی قیدیوں کو قید رکھا۔ آزادی کے بعد لال قلعہ کے بیشتر حصے ہندوستانی فوج کے قبضے میں آگئے اور یہاں سنگین نوعیت کے مجرموں کو رکھنے کے سیل بھی بنائے گئے۔ قلعے کے دو دروازے ہیں جن میں سے ایک دلی دروازہ جبکہ دوسرا لاہوری دروازہ کہلاتا ہے۔ جب یہ قلعہ تعمیر کیا گیا تھا اس وقت دریائے جمنا اس کی عقب کی دیواروں کو چھوکر گزرتا تھا لیکن اب وہ کچھ فاصلے پر بہتا ہے۔ ہر سال یوم آزادی کے موقع پر وزیراعظم اسی قلعے کی فصیل سے خطاب کرتے ہیں۔

موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں!

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

ہمارا ملک اپنی تاریخ کے بدترین دَور سے گذر رہا ہے، دن بدن حالات خراب ہوتے جارہے ہیں، گائے کے تحفظ کے نام پر لوگوں کو مارا جارہا ہے، گائے کے علاوہ دوسرے جانوروں کے گوشت کھانے پر بھی آپ کی جان جاسکتی ہے، جب تک جانچ رپورٹ آئے گی، اس نام پر آپ کا قتل ہو چکا ہوگا۔ داڑھی، ٹوپی اور شعائر اسلام کو اپنانے والوں کو راستہ چلتے طنز کے ساتھ بھدی بھدی گالیاں سننی پڑتی ہیں، راستہ گذرتے ہوئے آپ کو چڑھانے کیلئے ''بھارت ماتا کی جے'' کی آواز زور سے لگائی جاتی ہے، خواتین کی عزت وناموس سرعام لوٹی جارہی ہے، کسانوں کی حالت دردناک ہے، وہ خودکشی پر مجبور ہورہے ہیں، نوٹ بندی اور جی ایس ٹی کے نفاذ نے چھوٹے کاروباریوں پر زندگی تنگ کردی ہے اور کاروبار مندی کے دور سے گذر رہا ہے، کچے چمڑے لاتے لے جاتے لوگ ڈر رہے ہیں، جس کی وجہ سے ٹینریاں بند ہورہی ہیں، لاکھوں روپے کے چمڑے بُلو کرکے گوداموں میں پڑے ہوئے ہیں، ان کا خریدار کوئی نہیں ہے، ٹکسٹائل ورکروں کی حالت ناگفتہ بہہ ہے۔ دلت ہندوؤں کی حالت انتہائی خستہ ہے اور وہ تحریک کی راہ پر چل پڑے ہیں، کشمیر سلگ رہا ہے، دارجلنگ میں گورکھا لینڈ والے سر اٹھا رہے ہیں اور تیزی سے علاحدگی کی راہ پر بڑھ رہے ہیں، مغربی بنگال میں فرقہ پرستوں نے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں، فسادات کی آگ میں اچھی خاصی آبادی جھلس رہی ہے۔ ملک کی سرحدیں غیر محفوظ ہیں، ہمارے جوان مر رہے ہیں، نکسل وادیوں کے زور میں کمی نہیں آرہی ہے، بھوٹان سے متصل سرحد پر چینی افواج ہمیں آنکھیں دکھارہی ہیں اور دھمکیاں دے رہی ہے اور ان حالات سے نمٹنے کیلئے ہمارے پاس وزیر دفاع بھی نہیں ہے، اضافی چارج دے کر یہ کام لیا جارہا ہے، ٹرینوں کا سفر محفوظ نہیں ہے اب تک دو درجن سے زائد لوگ بے قصور مارے جاچکے ہیں، وزیر ریل ''پربھو'' اس صورت حال کو بدلنے کیلئے نہ کچھ کرتے ہیں اور نہ کچھ کہتے ہیں، فرقہ پرستوں کے حوصلے بلند ہیں اور وہ لَو جہاد، گھر واپسی جیسے غیر ضروری اور غیر حقیقی نعروں سے مسلمان کو پریشان، ہراساں اور خوف زدہ کرنے میں لگے ہیں، وزیر اعظم نے اب تک تین دفعہ ہی بعض موضوعات پر اپنی زبان کھولی ہے، جس کا کوئی بھی اثر فرقہ پرستوں پر

نہیں ہوا کیوں کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ وزیراعظیم کا کام ''نندا'' کرنا نہیں، قانون کے نفاذ کو یقینی بنانا ہے، اسی لیے ایک لیڈر نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''تم مارتے رہے ہم نندا کرتے رہیں گے''، مذہبی اسفار بھی محفوظ نہیں ہیں، امرناتھ یاتریوں پر حملہ تو حال کی بات ہے، سات مرے، لیکن اگر سلیم نے مستعدی نہیں دکھائی ہوتی تو پینتالیس جانیں اور بھی جاتیں۔

ایک صاحب نے بہت صحیح تبصرہ کیا کہ ایک سلیم نے پینتالیس کو بچالیا اور پوری ٹرین کے مسافر مل کر ایک جنید کو نہیں بچا سکے، اس واقعہ سے مسلمان کس قدر اپنی ذمہ داریاں نبھاتا ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے، سلیم ایک علامت بن گیا ہے، صحیح یہ ہے کہ مسلمان آخری حد تک ذمہ داری نبھاتا ہے، وہ ''روم'' جل رہا ہو تو ''نیرو'' کی طرح بانسری بجانے میں مگن نہیں ہوتا، وہ آخری وقت تک مورچہ سنبھالے رہتا ہے اور جب موت آتی ہے تو دنیا جانتی ہے کہ وہ آخری وقت اور آخری سانس تک ملک کا وفادار رہتا ہے۔

ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں، ملک سے محبت کا تقاضہ ہے کہ ہم اس ملک کی سالمیت، قانون کے تحفظ اور اس کے نفاذ کیلئے ہر سطح پر کوشاں ہوں، ملک محفوظ اسی وقت رہے گا جب قانون کی بالادستی ہو، کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہ دی جائے، تحفظ گائے کے نام پر جن لوگوں نے خون خرابہ مچا رکھا ہے، ان سے سختی سے نمٹا جائے، یہ کام حکومت کے کرنے کا ہے، عوام تو صرف ان کاموں میں مدد دے سکتی ہے، اور قانون توڑنے والوں کے خلاف ان اداروں کی مدد کرسکتی ہے جن کا کام لا اینڈ آرڈر کا تحفظ ہے۔

ہمارے کہنے کا مطلب صرف مسلمان نہیں اس ملک کے سارے باشندے ہیں اور اس میں ذات برادری، علاقہ، زبان مسلک و مشرب کی قید نہیں ہے، دوسری طرف ہر مذہب کے لوگ بھی جو اس ملک میں رہتے ہیں، یہاں کے شہری ہیں، ان سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس صورت حال کو بدلنے کیلئے آگے آئیں، خوشی کی بات ہے کہ ایک تنظیم Not In My Name نے اس سلسلے میں پہل کی ہے، اور اس کے احتجاج اور مظاہرے کے بعد ہی وزیراعظم نے اپنی زبان کھولی۔

ہمارا ماننا ہے کہ اس ملک میں سیکولرزم اور جمہورت کی جڑیں بہت مضبوط ہیں، بی جے پی کے دور حکومت میں اسے کمزور کرنے کی منظّم کوشش ہورہی ہے، بحالیوں میں بھی آر ایس ایس سے وفاداری کو ملحوظ رکھا جارہا ہے اور ہندوستان کی تاریخ کا پہلا موقع ہے کہ ملک کے تین اعلیٰ عہدے پر صدر، نائب صدر اور

وزیراعظم آر ایس ایس کے پروردہ اور نمک خوار فائز ہورہے ہیں یا ہو چکے ہیں، اس کے باوجود یہاں کی اکثریت گنگا جمنی تہذیب کی عادی ہے، ایک بڑا گروپ وہ ہے جسے ہم سائلنٹ گروپ کہہ سکتے ہیں، اس سائلنٹ گروپ کو جمہوری اقدار کی حفاظت کیلئے آگے لانے کی ضرورت ہے، دلتوں، آدی باسیوں اور اقلیتوں کا اتحاد بھی ان حالات کو بدلنے میں معاون ہوسکتا ہے، یہ ملک کیلئے انتہائی ضروری ہے، اقتدار اعلیٰ چونکہ فرقہ پرستوں کے ہاتھ میں ہے اس لیے یہ کام ذرا مشکل ہے، لیکن ہم اسے ناممکن نہیں کہہ سکتے۔

اس ملک میں مسلمان دوسری بڑی اکثریت ہے، ملک سے محبت، وفاداری کا تقاضہ ہے کہ ان حالات کو بدلنے کیلئے وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں کیوں کہ مسلمان ہی وہ امت ہے جس کے پاس اعلیٰ اخلاقی اقدار اور Valus Moral کا بڑا خیرہ ہے، اسے خیر کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا گیا ہے اور گناہوں کے کاموں سے بچنے کی بات کہی گئی ہے، یہ بھلائی کا حکم دیتی ہے اور بُرائی سے روکنے کا کام کرتی ہے، اسی لیے یہ خیر امت ہے، وقت آ گیا ہے کہ حالات کو بدلنے کیلئے ہم اپنی جدوجہد کا آغاز کریں۔

اس کیلئے سب سے پہلا کام انابت الی اللہ ہے، اللہ کی طرف رجوع کرنا، اس کے سامنے گڑ گڑا کر حالات بدلنے کیلئے دعا کرنا، اس لیے کہ اصل قوت وطاقت کا مرکز ومحور اللہ رب العزت کی ذات ہے وہ چاہے تو پل میں سب کچھ ٹھیک کردے؛ کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، لیکن ہماری بداعمالی اور بے عملی نصرت خداوندی کے دروازے پر رکاوٹ بن گئی ہے، ہم اپنے اعمال کی اصلاح کریں، اللہ کا خوف ہمارے دل میں ہو اور ہماری تمام حرکات وسکنات احکام الٰہی اور ہدایت نبوی کے تابع ہو تو اللہ کی مدد آئے گی اور حالات کا رخ بدلے گا، لیکن اس کیلئے اپنا محاسبہ اور اپنے اعمال کا قبلہ درست کرنا ہوگا۔

دوسرا کام کرنے کا یہ ہے کہ غیر ضروری جوش سے گریز کیا جائے، فیصلے جوش کے بجائے ہوش اور اقدام جذباتیت کے بجائے عقلیت سے کیا جائے، غیر ضروری جوش سے ملت کو نقصان کے علاوہ کچھ نہیں ملا ہے، اس لیے ہر حال میں تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور آخری حد تک کوشش کرنی چاہیے کہ ناگوار واقعات سامنے نہ آئیں، ٹالرنس کا ماحول بنانے سے یہ کام آسان ہوگا۔

تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ ٹالنے کی ساری کوشش ناکام ہوجائے تو اقدام کے طور پر نہیں اپنی دفاع اور جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ کیلئے ہر ممکن کوشش کی جائے، یہ ہمارا دستوری اور قانونی حق ہے، اس سلسلے

میں ''وھن''، یعنی دنیا کی محبت اور موت کے خوف سے اوپر اٹھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے، یہ جدو جہد اتنی مضبوط ہو کہ فرقہ پرستوں اور دہشت گردوں کو منہ کی کھانی پڑے، وہ جان لیں کہ ہم گاجر، مولی نہیں ہیں، ایک موقع سے حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ فسادات اسی شکل میں رک سکتے ہیں، جب مارنے والے کو یقین ہو کہ ہمیں بھی مارا جاسکتا ہے۔ ''لہو پکارے گا آستین کا''

ٹیپو سلطان شہید نے کہا تھا ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے''،صبر اور برداشت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی زندگی کی بقا کے لیے کوشش نہ کی جائے اور خوف ایسا مسلط ہو کہ ہم ہاتھ پاؤں تو کیا زبان بھی نہ ہلا سکیں، ملک کے سابق صدر اے پی جے عبدالکلام نے ایک بار کہا تھا کہ ''طاقت وقوت کے ساتھ برداشت کام کی حکمت عملی اور بے سروسامانی اور کمزوری کے ساتھ برداشت کا مطلب مجبوری ہے''۔

چوتھا کام یہ کرنا چاہیے کہ اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات لوگوں تک پہونچائی جائیں، غلط فہمیاں جو پھیلا جارہی ہیں اس کو دور کرنے کیلئے عملی اقدام کیے جائیں، واقعہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں ہم مجرمانہ غفلت کے شکار ہیں، دعوت دین کے کام کو اس پیمانے پر ہم نے کیا ہی نہیں، جس قدر اس کی ضرورت تھی، دعوت کا یہ کام ہمیں زبان وقلم سے بھی کرنا چاہیے اور عمل سے بھی، اسلام کی خوبیاں کتابوں سے کم اور عمل سے زیادہ سمجھ میں آتی ہیں، تھیوری جاننا ضروری ہے، لیکن جب تک وہ پریکٹیکل کے مرحلہ سے نہیں گذرے گا اس کی افادیت سامنے نہیں آسکتی۔

اس لیے ہم اپنے عمل سے اسلام کی حقانیت وصداقت واضح کریں، ہمیں شکوہ ہے کہ عوامی نمائندہ اداروں میں ہم تعداد میں بہت کم ہیں، اس لیے ہماری آواز نہیں سنی جاتی، لیکن جہاں ہماری آواز کا سنا جانا یقینی ہے، اور جہاں جانے سے ہمیں کوئی روک نہیں سکتا، وہاں ہماری نمائندگی کتنے فی صد ہے، ذہن نہیں منتقل ہوا ہو تو میں بتا چلوں کہ مساجد کی پنج وقتہ نمازوں میں ہماری تعداد کتنی ہے، یہ وہ در ہے جہاں سب بات سنی جاتی ہے، اور سب کی سنی جاتی ہے، لیکن اللہ کے دربار میں جانے اور اس سے اپنی مرادیں مانگنے، اپنی تکالیف کو دور کرنے کیلئے درخواست کرنے سے ہم کس قدر گریزاں ہیں، یہی وہ در ہے جہاں آبرو نہیں جاتی اور جہاں مانگنا ذلت نہیں، عبادت ہے، کاش مسلمان اس بات کو سمجھ لیتے۔

ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ فرقہ پرست طاقتوں کے مقابلے ہم شیشہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں، ذات پات، مسلک ومشرب اور دوسرے فروعی مسائل میں الجھ کر ہم منتشر ہو گیے ہیں، اس انتشار نے ہمیں (بقیہ صفحہ 38 / پر ملاحظہ ہو!)

ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور قربانی کے احکام ومسائل

از: محمد نجیب قاسمی، ریاض

ماہِ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم (سورۃ الفجر آیت نمبر ۲) میں ذی الحجہ کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے ''وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ''، جس سے معلوم ہوا کہ ماہ ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ اسلام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حج کا اہم رکن: وقوفِ عرفہ اسی عشرہ میں ادا کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کو حاصل کرنے کا دن ہے۔ غرض رمضان کے بعد ان ایام میں اخروی کامیابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ لہٰذا ان میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کا ذکر کریں، روزہ رکھیں، قربانی کریں۔ احادیث میں ان ایام میں عبادت کرنے کے خصوصی فضائل وارد ہوئے ہیں، جن میں سے چند احادیث ذکر کر رہا ہوں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کثرت سے کیا کرو۔ (طبرانی) ان ایام میں ہر شخص کو تکبیر تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تکبیرِ تشریق کے کلمات یہ ہیں: ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ. اَللّٰہُ اَکْبَرُ. لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. وَاللّٰہُ اَکْبَر. اللّٰہُ اَکْبَر. وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ''۔

عرفہ کے دن کا روزہ:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ (صحیح مسلم)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کا ایک روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا نویں ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کریں۔

وضاحت: اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں میں عرفہ کا دن الگ الگ دنوں میں ہوتو اس میں کوئی اشکال نہیں؛ کیونکہ یوم عید الفطر، یوم عید الاضحیٰ، شبِ قدر اور یوم عاشورہ کے مثل ہر جگہ کے اعتبار سے جو دن عرفہ کا قرار پائے گا، اُس جگہ اُسی دن میں عرفہ کے روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، انشاءاللہ۔

قربانی کی حقیقت:

قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت کیلئے رہا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا	ہم نے ہر امت کیلئے قربانی مقرر کی؛ تاکہ وہ
لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ	چوپایوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں
بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ''۰(سورۃ الحج:۳۴)	جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اہم وعظیم قربانی کی وجہ سے قربانی کو سنتِ ابراہیمی کہا جاتا ہے اور اسی وقت سے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔ اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی جان ومال ووقت ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار رہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی، جس میں سے 63/ اونٹ کی قربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی اور بقیہ 37/ اونٹ حضرت علی نے نحر (یعنی ذبح) فرمائے۔ (صحیح مسلم) یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (ذی الحجہ کی ۱۰/ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں) کا عملی اظہار ہے اور اس عمل میں اُن حضرات کا بھی جواب ہے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں کو پیسے تقسیم کردیے جائیں۔ اسلام نے جتنا غریبوں کا خیال رکھا ہے اس کی کوئی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی؛ بلکہ انسانیت کو غریبوں اور کمزوروں کے دَرد کا احساس شریعتِ اسلامیہ نے ہی سب سے پہلے دلایا ہے۔ غرباء ومساکین کا ہر وقت خیال رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم عید الاضحیٰ کے ایام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

کرتے ہوئے قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، جیسا کہ ساری انسانیت کے نبی حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (سنن دارقطنی، سنن کبری للبیہقی)

اِن دِنوں بعض حضرات نے باوجویکہ کہ انہوں نے قربانی کے سنتِ مؤکدہ اور اسلامی شعار کا موقف اختیار کیا ہے ۱۴۰۰/سال سے جاری وساری سلسلہ کے خلاف اپنے اقوال وافعال سے گویا یہ تبلیغ کرنی شروع کردی ہے کہ ایک قربانی پورے خاندان کیلئے کافی ہے اور قربانی کم سے کم کی جائے جو سراسر قرآن وحدیث کی روح کے خلاف ہے؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ان ایام میں زیادہ سے زیادہ قربانی کرنی چاہیے۔

دیگر اعمال صالحہ کی طرح قربانی میں بھی مقصود رضاء الٰہی ہونی چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (الانعام: ۱۶۲)

میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کی رضامندی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

نیز؛ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ۔ (الحج: ۳۷)

اللہ کو نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے نہ اُن کا خون؛ لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کی اہمیت وفضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ ﷺ قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی) غرض کہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی باوجویکہ آپ ﷺ کے گھر میں بوجہ قلت طعام کئی کئی مہینے چولہا نہیں جلتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمیں قربانی سے کیا فائدہ ہوگا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اون کے بدلے میں کیا ملے گا؟

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلے میں (بھی) نیکی ملے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ر تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں اجر وثواب کا سبب بنیں گی) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (سنن دارقطنی)

قربانی کا وجوب:

قربانی کو واجب یا سنتِ مؤکدہ قرار دینے میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے؛ مگر پوری امتِ مسلمہ متفق ہے کہ قربانی ایک اسلامی شعار ہے اور جو شخص قربانی کر سکتا ہے اس کو قربانی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے خواہ اس کو واجب کہیں یا سنتِ مؤکدہ یا اسلامی شعار۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کیا کرتے تھے باوجودیکہ آپ ﷺ کے گھر میں اشیاء خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی مہینے تک چولہا نہیں جلتا تھا۔ ۸۰ر ہجری میں پیدا ہوئے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قرار دیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کی ایک روایت بھی قربانی کے وجوب کی ہے۔ ہند وپاک کے جمہور علماء نے بھی وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے؛ کیونکہ یہی قول احتیاط پر مبنی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے۔ قربانی کے وجوب کیلئے متعدد دلائل میں سے چند پیش ہیں:

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم (سورۃ الکوثر) میں ارشاد فرماتا ہے: ''صَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ'' آپ اپنے رب کیلئے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ اس آیت میں قربانی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور امر عموماً وجوب کیلئے ہوا کرتا ہے، جیسا کہ مفسرینِ کرام نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاصؒ (ولادت ۳۰۵ھ) اپنی کتاب (احکام القرآن) میں تحریر کرتے ہیں: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: کہ اس آیت ''فَصَلِّ لِرَبِّکَ'' میں جو نماز کا ذکر ہے، اس سے عید کی نماز مراد ہے اور ''وَانْحَرْ'' سے قربانی

مراد ہے۔مفسر قرآن شیخ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں: کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) عید کی نماز واجب ہے۔(۲) قربانی واجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ بھٹکے۔(سنن ابن ماجہ) وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر آپ ﷺ نے سخت وعید ارشاد فرمائی اور اس نوعیت کی سخت وعید واجب کے چھوڑنے پر ہی ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔حضرت جندب بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے دن حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا تو اسے چاہیے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا تو اسے چاہیے کہ وہ (عید کی نماز کے) بعد ذبح کرے۔حضورِ اکرم ﷺ نے عید الاضحیٰ کی نماز سے قبل جانور ذبح کرنے پر دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا؛ حالانکہ اُس زمانہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس مالی وسعت نہیں تھی۔یہ قربانی کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے:

ہر صاحبِ حیثیت کو قربانی کرنی چاہیے جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔حضورِ اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قربانی کے وجوب کیلئے صاحب وسعت ہونا ضروری ہے؛ البتہ مسافر پر قربانی واجب نہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔(المحلی بالآثار لابن حزم: ۶/۳۷)

قربانی کے جانور:

بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ (نر و مادہ) قربانی کیلئے ذبح کیے جاسکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آٹھ جانور ہیں دو بھیڑوں میں سے اور دو بکریوں میں سے، دو اونٹوں میں سے اور دو گائیوں میں سے۔(الانعام ۱۴۳-۱۴۴)

بھینس کی قربانی بھی جائز ہے۔امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ بھینس کا حکم گائے والا ہے۔حضرت حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ بھینس گائے کے درجہ میں ہے۔حضرت امام سفیان ثوریؒ (متوفی ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ بھینسوں کو گائے کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔(مصنف عبدالرزاق: ۴/۳۲)

حضرت امام مالکؒ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ بھینس گائے ہی ہے (یعنی گائے کے حکم میں ہے) (موطا مالک باب ما جاء فی صدقۃ الفطر) ہندوپاک کے جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔ سعودی عرب کے مشہور عالم شیخ محمد بن عثیمین نے بھی بھینس کو گائے کے حکم میں شامل کیا ہے۔ بھینس عربوں میں نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لیے اس کا ذکر قرآن کریم میں وضاحت سے نہیں ہے۔ (مجموع فتاوی ورسائل شیخ ابن عثیمین: ۵۲/۲۳) موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں میں یہی مذکور ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے۔

جانور کی عمر:

قربانی کے جانوروں میں بھیڑ اور بکرا بکری ایک سال، گائے اور بھینس دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے؛ البتہ وہ بھیڑ اور دنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد:

اگر قربانی کا جانور بکرا، بکری، بھیڑ یا دنبہ ہے تو وہ صرف ایک آدمی کی طرف سے کفایت کرتی ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بکری ایک آدمی کی طرف سے ہوتی ہے۔ (اعلاء السنن)

اگر قربانی کا جانور اونٹ، گائے یا بھینس ہے تو اس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہو جائیں۔ (صحیح مسلم) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ والے سال حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قربانی کی؛ چنانچہ اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔ (صحیح مسلم)

وضاحت: حجۃ الوداع اور صلح حدیبیہ کے موقع پر اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہوئے تھے، اس پر قیاس کر کے علماء امت نے فرمایا ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی میں بھی اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قربانی کے ایام: قربانی کے تین ایام ہیں دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی آیت "وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ایام معلومات سے مراد یوم النحر (۱۰/ ذی الحجہ) اور اس کے بعد دو دن ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم الرازی: ۱۶۲/۶)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ نہیں بچنا چاہیے۔(صحیح بخاری) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں؛ اس لیے کہ جب چوتھے دن قربانی کا بچا ہوا گوشت رکھنے کی اجازت نہیں تو پورا جانور قربان کرنے کی اجازت کہاں سے ہوگی؟

وضاحت: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت ابتداءِ اسلام میں تھی بعد میں اجازت دے دی گئی کہ اسے تین دن بعد بھی رکھا جاسکتا ہے۔(مستدرک حاکم: ۴/۹۵۲) اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب تین دن کے بعد گوشت رکھنے کی اجازت مل گئی تو تین دن کے بعد قربانی بھی کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ گوشت تو پورے سال بھی رکھا جاسکتا ہے تو کیا قربانی کی اجازت بھی پورے سال ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ تین دن کے بعد قربانی کی اجازت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں۔(موطا مالک)

وضاحت: بعض علماء کرام نے مسند احمد میں وارد حدیث (کُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذِبْحٌ) کی بنیاد پر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ۱۲/ذی الحجہ تک قربانی نہیں کر سکا تو ۱۳/ذی الحجہ کو بھی قربانی کی جاسکتی ہے؛ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں فرمایا ہے کہ قربانی صرف تین دن کی جاسکتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خود اپنی کتاب میں وارد حدیث کے متعلق وضاحت کردی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تحریر کیا ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قربانی کو صرف تین دن تک محدود رکھا جائے؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ یا کسی ایک صحابی سے ۱۳/ذی الحجہ کو قربانی کرنا ثابت نہیں ہے۔

قربانی کرنے والا ناخن اور بال نہ کاٹے:

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔(مسلم) اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں قربانی کرنے والوں کیلئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔ لہٰذا اگر بال یا ناخن وغیرہ کاٹنے کی ضرورت ہو تو ذی القعدہ کے آخر میں فارغ ہو جائیں۔ ○❖○

قربانی، فدائیت کا بہترین نمونہ

از: مولانا مصلح الدین قاسمی، استاذ ادب عربی، شاہی مرادآباد

تصور کیجیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کا، کیسی آزمائش کی گھڑی رہی ہوگی حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے جب نمرود نے دہکتی ہوئی آگ تیار کرائی تھی، ایک طرف نارِنمرود اور اس کے وہ چیلے چپاٹے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں جلنے کا تماشہ دیکھنے کیلئے بے تاب تھے، اور دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عشقِ حقیقی تھا جو بار بار آگ میں کودنے کیلئے کچوکے لگا رہا تھا، بالآخر نبی موصوف بے دھڑک آگ میں کود پڑے، اور خدائی فرمان ''یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَسَلامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ'' (اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی بن جا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر) کے آگے آگ اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکی، اور دنیا نے دیکھا کہ آتشِ نمرود میں عشقِ حقیقی کس طرح پنپتا اور پروان چڑھتا ہے۔ سچ ہے

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

پھر تصور میں لایئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فدائیت کا: حکم ہوتا ہے اپنی بیوی اور بچے کو اُس سنسان وادی میں چھوڑ کر آیئے جہاں نہ آدم نہ آدم زاد، ایسا ویرانہ جہاں صرف چلچلاتی دھوپ ہے، نہ کھانا ہے نہ پانی، نہ کوئی قریب اور عزیز، نہ کوئی خبر گیری کرنے والا اور نہ کوئی راہ گیر، جہاں نہ اپنوں کا معلوم اور نہ بیگانوں کی خیر خبر، حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کا حکم پاتے ہی بیوی اور بچے کو اُس جھلسی ہوئی پہاڑیوں اور کھانے پانی سے خالی وادی میں چھوڑ کر آگئے، یہ بالکل نہ سوچا کہ اُس تپتی ہوئی وادی میں ممتا کی ماری ایک ماں اور شیر خوار بچے کا کیا ہوگا۔ بس خدا کا حکم ملتے ہی تعمیل کے لیے فوراً تیار ہو گئے اور ذرہ برابر بھی تاخیر نہ کی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اُن کے ننھے منے بچے پر اُس وحشت ناک وادی میں کیا گذری؟ یہ بھی تاریخ کا ایک باب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی فدائیت کا مظہر ہے۔

اُس تپتی ہوئی وادی میں وہ شیر خوار بچہ جب دیوارِ کعبہ سے ایڑیاں رگڑتا تو ماں تڑپ تڑپ کر کبھی صفا کی طرف دیکھتی کہ شاید کوئی قافلہ نظر آجائے اور پانی مل جائے، اور کبھی دوڑتی ہوئی مروہ پر چڑھتی کہ شاید

ادھر کوئی قافلہ گذرتا ہوا دکھائی دے، پھر بھاگی بھاگی بچے کو دیکھنے آتی کہ کس حال میں ہے، اُس معصوم کو دیکھ کر پھر پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کا چکر لگاتی، اور جب امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تو بے قرار ہو جاتی، کلیجے منہ کو آنے لگتے، تا آں کہ اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لاڈلے کی ایڑیوں کی رگڑ سے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا جو ''زمزم'' کے نام سے مشہور ہے، اور اُس وقت سے اب تک اسی طرح جاری ہے۔

اللہ اکبر! فدائیت کا یہ نمونہ اب کون پیش کر سکتا ہے کہ ابھی ایک امتحان ختم نہیں ہوا کہ دوسرا شروع ہو گیا، جب بچہ بڑا ہو گیا اور بوڑھے باپ کو کچھ سہارا دینے کے لائق ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے لاڈلے کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں، چوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی کے درجے میں ہوتا ہے اِس لیے صبح اٹھتے ہی اُس خواب کا تذکرہ اپنے بیٹے سے کیا، اِس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی ہچکچاہٹ اور سراسیمگی نہیں ہوئی، اور نہ ہی کوئی قلق ہوا؛ کیوں کہ ان کا قلب حبّ خدا سے سرشار تھا اور بطورِ امتحان بیٹے سے سوال کیا تمہاری رائے اِس کے بارے میں کیا ہے؟۔

یہاں کسی شخص کے دل میں یہ خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدائی حکم کی تعمیل کرنا بیٹے کے اتباعی جواب پر منحصر تھا؟ ایسی کوئی بات نہیں؛ بل کہ ان سے صلاح و مشورے میں بہت سارے اسرار وحکم پنہاں ہیں: پہلی حکمت یہ تھی کہ ان میں اطاعتِ خداوندی کا جذبہ وولولہ کس حد تک ہے یہ بات کھل کر سامنے آ جائے، نیز اُن کے حوصلے کو بھی پرکھنا اور جانچنا مقصود تھا۔ دوسری حکمت یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ اسے قبول کریں گے تو مستحق اجر ہوں گے، تیسری حکمت یہ تھی کہ عین ذبح کے وقت ممکن تھا کہ محبتِ پدری، محبت طبعی اور تقاضائے انسانی فعل مامور میں آڑے نہ آ جائے، اِس وجہ سے نبی موصوف نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مشورہ لیا تھا۔ قرآنِ کریم نے اِس واقعے کو اِس انداز سے بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّي اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى؟ قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ○

سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیمؑ نے فرمایا: برخوردار! میں دیکھتا ہوں کہ تم کو (بامرالٰہی) ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے: ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجیے انشاءاللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔

یہ امتحان کس قدر سخت تھا اِس کی طرف اشارہ خود اللہ رب العزت نے ''فلما بلغ معه السعي'' سے اشارہ فرما دیا کہ ارمانوں سے مانگے ہوئے اُس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اُس وقت دیا گیا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوتِ بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو، مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی، اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ بالغ ہو چکے تھے۔

یوں تو ذبح کرنے کا یہ حکم براہِ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعے بھی نازل کیا جا سکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی بظاہر حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے ذریعے دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کیلئے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ رب العزت کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اِس امتحان میں سو فیصد کامیاب ہوئے۔

قربانی کا یہ واقعہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فدائیت کا مظہر ہے وہیں اِس واقعے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھی بے مثال جذبۂ جاں نثاری کی شہادت ملتی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کم سنی ہی میں اللہ رب العزت نے انھیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا؛ بلکہ محض ایک ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیا علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکمِ الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چناں چہ انھوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکمِ الٰہی کا ذکر کیا اور والد بزرگوار کو یہ کہہ کر یقین دلایا: ''یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤمَرُ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ'' (ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گذریئے، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں اِس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''اِس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایتِ ادب اور غایتِ تواضع کو دیکھئے، ایک تو انشاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا، اور اِس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے بالکل ختم فرما دیا، دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ ''آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے''، لیکن اس کے

بجائے آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے'' جس سے اِس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ صبر وضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے؛ بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، انشاءاللہ میں بھی ان میں شامل ہوجاؤں گا، اِس طرح آپ نے اِس جملے میں فخر وتکبر، خود پسندی اور پندار کے ادنیٰ شائبے کو ختم کرکے اس میں انتہا درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرمادیا۔ (روح المعانی)

اللہ رے! یہ جذبۂ قربانی اور یہ فدائیت، کہ بیٹے کے گلے پر چھری چلادی، اور ہائے رے یہ اِقدامِ فداکاری کہ چھری تلے گردن رکھ دیا اور خلیل وذبیح دونوں نے اپنا اپنا حق ادا کریا، قرآن نے بھی اعلان کردیا:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّوْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ (الصّٰفّٰت:۱۰۵)

تم نے خواب سچ کردکھایا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اُس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور آزمائش میں پورے پورے کامیاب رہے، اور یہ ادائے قربانی اللہ کو اتنی پسند آئی کہ رہتی دنیا تک کیلئے یادگار اور قربِ خداوندی کا ذریعہ بنادیا جسے امت مسلمہ ہر سال مناتی ہے، اور اِس قربانی میں درحقیقت مسلمانوں کے اِس عقیدے کا اعلان ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ رب العزت کے حکم کے آگے اپنی عزیز سے عزیز ترین چیز کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

سچ لکھا حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے: ''اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے، آج بھی قربانیوں ہی سے چمکے گا۔ اسلام کیلئے قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے، اور جب قربانیاں نہ ہوں تو اپنی بادشاہت میں بھی مٹ جاتا ہے۔'' ❍❖❍

<u>بقیہ: موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں</u>

انتہائی کمزور کردیا ہے، اس خول سے باہر آکر کلمہ کی بنیاد پر اتحاد کو فروغ دینا چاہیے، اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، کفر الحاد کے تیر چلانے سے گریز کرنا چاہیے، بعض فرقے واضح طور پر اسلام سے الگ ہیں، جیسے قادیانی، اس سے ہمارا اختلاف اساسی اور ختم نبوت کے اسلامی عقیدہ پر مبنی ہے، لیکن جن فرقوں سے اختلافات فروعی ہیں، ان سے چھیڑ چھاڑ اور ان کے خلاف آواز بلند کرنا جس سے فرقہ بندی کو فروغ ہو، اسلام کے شایان شان نہیں، اللہ رب العزت نے جس اسلام کو اپنا دین قرار دیا ہے، وہ صرف اور صرف اسلام ہے، اسکے آگے پیچھے کوئی مضاف، مضاف الیہ نہیں ہے۔ ❍❖❍

معاشرے کی اصلاح سے پہلے اپنی کمزوری دور کریں!

نثار احمد حصیر القاسمی

سکریٹری جنرل اکیڈمی آف ریسرچ اینڈ اسلامک اسٹڈیز حیدرآباد

عقلمند انسان وہ ہے جو اپنی زندگی کے سفر میں اپنے قلب کو ایسی آبادی تصور کرتا ہے جس کے راستے اور گلی کوچے عفو ودرگذر، رواداری، میل ملاپ اور الفت ومحبت ہو، وہ اپنے اردگرد کے لوگوں میں خوبیوں کو پھیلائے اور نیکی وبہتری کو عام کرے اور اس کا صلہ پانے کا منتظر نہ رہے، وہ اپنی ذات اور اپنے نفس کے ساتھ بھی سچا ہو اور دوسروں کے ساتھ بھی، وہ دوسروں کے ساتھ جو بھلائی کرے اس پر اسے خوشی ہو، ندامت نہ ہو، اور جو فوت ہوجائے اس پر کف افسوس نہ ملتا رہ جائے، وہ امید وبیم کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنائے جو اس کے ساتھ ہر موڑ پر رہے، انسان اسلامی تعلیمات کے مطابق بہت سی چیزوں کا مکلّف ہے، اور اس سے اس کے ہر ہر عمل کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس نے اگر اچھا کام کیا ہے تو اسے اس کے مناسب بدلہ اور اجر وثواب دیا جائے گا، اگر بدقسمتی سے اس نے برا کیا ہے، تو اس پر اسے سزا دی جائے گی، روز قیامت اس کا نامۂ اعمال یا تو اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں۔

انسان اپنے سماج میں اسی ذمہ داری کی روشنی میں اپنا رول اور ذمہ داری انجام دیتا ہے جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ قیامت کے دن اس سے اس کے بارے میں پوچھ ہوگی، اس روز ہر شخص اللہ کے سامنے تنہا آئے گا، اس کے ساتھ کوئی لاؤلشکر اور خدم وحشم نہیں ہوں گے۔ ''وکل آتیه یوم القیامة فردا'' کامیابی آسان عمل نہیں بلکہ مشکل سیڑھی ہے جو جہد مسلسل اور خون پسینہ ایک کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، اس سیڑھی پر کوئی شخص اپنی جیب میں ہاتھ رکھ کر نہیں چڑھ سکتا بلکہ اس پر چڑھنے کیلئے اپنا ہاتھ کھلا رکھنا اور اسکا سہارا لینا ضروری ہے، تیز وتند آندھی وطوفان بڑے بڑے درختوں کو تو اکھاڑ پھینکتا مگر اس کا اثر ان پتلی ہری ٹہنیوں پر نہیں پڑتا جو اس کے سامنے جھک جاتی اور جس طرح اسے حرکت دیتی حرکت کرتی رہتی ہے، زندگی نے ہمیں سبق دیا ہے کہ ہم اپنے اندر بیک وقت خوبی ونرمی اور سختی ہر دو کو جمع کریں، نرمی وخوبی ان کیلئے جو اس کی قدر کرنے والا ہو، اور اس کا کوئی دنیوی غرض نہ ہو، اور سختی ان لوگوں کے لئے جو ہمیں دھوکہ اور فریب

دینے کی کوشش کرے، یا کھلے بغیر کلیوں کو توڑنا چاہئے تاکہ چند لمحوں اس سے لطف اندوز ہوکر اسے راستے پر پھینک دے کہ آنے جانے والوں کے قدم اسے کچلتے رہیں، ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت اپنے سماج میں متعدد قسم کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے، یہ ذمہ داریاں گرد وپیش اور اس کے ماحول کے مطابق ہوتی ہیں، وہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ذریعہ دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے اس طرح اگر کوئی اپنی ذمہ داریاں نبھانے لگے تو پورا سماج ایک لڑی میں پروجاتا، باہم ایک دوسرے کی معاونت ودستگیری کرنے والا بن جاتا ہے، پھر اس کے اندر میل ملاپ، الفت ومحبت اور ہم آہنگی کے جذبات پیدا ہوتے اور پروان چڑھتے رہتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مثل القائم علی حدود اللہ — ونجوا جمیعاً (بخاری)**

اللہ کے مقرر کردہ حدود پر قائم رہنے والوں اور اس میں پڑنے اور اسے پامال کرنے والوں کی مثال اس جماعت کی سی ہے جنہوں نے کشتی پر سوار ہونے میں قرعہ اندازی کی، کسی کے حصہ میں نیچے کا حصہ آیا اور کسی کے حصہ میں اوپر کی منزل، نیچے کے رہنے والوں کو جب پانی کی ضرورت ہوتی تو انہیں اوپر والوں کے پاس سے گذرنا ہوتا تھا، نیچے والوں نے سوچا کہ اگر ہم نیچے اپنے حصہ میں ہی سوراخ کرلیں اور اس سے پانی لینے لگیں تو ہم اوپر والوں کو تکلیف دینے سے بچ جائیں گے، لوگوں نے اگر انہیں ان کے ارادے پر عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیا تو وہ سب کے سب (ڈوب کر) ہلاک ہوجائیں گے اور اگر لوگوں نے انہیں ان کے ارادے پر عمل کرنے سے روک دیا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو سب کے سب نجات پاجائیں گے۔

ہمیں سمجھنا چاہئے کہ سماج اسی کشتی کے مانند ہے جس پر نیک وبد ہر کوئی سواری وسفر کرتا ہے، اس میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، بیدار بھی ہوتے ہیں اور غافل بھی، یہ ہر کوئی کو اٹھائے اپنے رخ پر رواں دواں رہتی ہے، مگر اسے خوفناک موجوں، طوفانی تھپیڑوں اور تیز وتند ہواؤں کا سامنا ہوتا ہے، وہ سواروں کی نقل وحرکت اور بیرونی جھونکوں سے متأثر ہوتی ہے، وہ ڈولتی رہتی ہے، کبھی دائیں، کبھی بائیں جھکتی اور کبھی سیدھی رہتی ہے، اور کبھی طوفانوں کے زور کو برداشت نہ کرتے ہوئے ڈوب جاتی اور سمندر کی گہرائی میں چلی جاتی ہے، ہم میں سے بہت سے لوگ ہیں جو غفلت ونادانی اور مدہوشی کی وجہ سے اس حقیقت کو فراموش کئے ہوئے ہیں، وہ زندگی کے سفینے یا سماج کی کشتی کو بھلائے ہوئے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی کشتی خشکی سے لگی

اورٹھری ہوئی ہے اس میں نہ اضطراب ہے نہ تباہ کن موجیں، نہ اس میں جھکاؤ ہے، نہ رساؤ، اس غلط سوچ کے نتیجہ میں وہ فسق وفجور اور سرکشی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

ہمیں ان لوگوں کی تاریخ یادرکھنی چاہئے جنہوں نے سرکشی کی تھی، فسق وفجور کا بازار گرم کیا تھا اور اللہ کے قائم کردہ حدود کوتوڑا اور پامال کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا؟ ستونوں والے ارم کے ساتھ، جس کی مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی، اورثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا، ان سب نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا، اور بہت فساد مچا رکھا تھا، مگر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کے کوڑے برسائے یقیناً تیرا رب گھات میں ہے۔(الفجر)

انسان اگرانہیں یاد کرلے تو کبھی کبروغرور سرکشی فسق وفجور اور فساد وبگاڑ پیدا کرنے کی ہمت نہ کرے اور ساری طاقت کے سرچشمہ کی پناہ میں اپنی جگہ بنائے، اسی سے رہنمائی طلب کرے اور اسی راستے پر چلنے کی کوشش کرے جس راستے پر چلنے کا اسے حکم دیا گیاے، اور جسے اللہ نے لوگوں کے لئے پسند کیا ہے، مگر انسان اپنی غفلت ونادانی کی وجہ سے اس پر چل رہا اور غضب الٰہی کو دعوت دے رہا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے امت کو دلوں پر چھانے والی غفلت وزنگ سے آگاہ ومتنبہ کیا ہے، اور اس کو مثال سے سمجھانے کیلئے طوفانوں اور بلند وبالا اٹھتے تھپیڑوں میں گھری کشتی سے تشبیہ دی ہے اور واضح کیا ہے کہ سماج ایک کشتی کی مانند ہے اور سماج کے افراد اس کشتی پر سوار لوگوں کی طرح ہیں، جس طرح کشتی والوں کیلئے دوہی صورت ہے کہ یاتو اوپر والے بڑے سانحے کوٹالنے کیلئے اپنی ذمہ داری نبھائیں جس میں سب کی نجات ہے، یا اوپر والے غفلت میں رہ کر اور دوسروں سے کنارہ کش ہوکر نیچے والوں کو من مانی کرنے کیلئے چھوڑ دیں کہ وہ اپنے حصہ میں جو چاہیں کرسکتے ہیں اور اس صورت کا نتیجہ معلوم ہے، اور وہ ہے یقینی طور پر سب کی ہلاکت وبربادی، رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ہمیں بتاتی ہے کہ معاشرہ میں انسانوں کی حالت کشتی پر سوار لوگوں ہی کی طرح ہے کوئی سماج فساد وبگاڑ اور منکرات سے خالی نہیں ہوتا، بلکہ کچھ نہ کچھ ایسے کمزور ایمان والے ہوتے ہیں جوان منکرات اور خلاف شرع باتوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، ان میں سے بعض تو وہ ہوتے ہیں جو اپنی گمراہی اور غلط کاریوں کے لئے وجہ جواز بھی تلاش کرلیتے ہیں اور ان کا عمل خواہ کتنا ہی ناپسندیدہ اور احکام

خداوندی کے خلاف کیوں نہ ہواسے درست وجائز ٹھرانے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی شخصی آزادی کا بہانا بنا کر کہتے ہیں کہ میں آزاد ہوں اپنی ملکیت میں جو چاہوں کروں دوسروں کواس پر نکیر کرنے کا کوئی حق نہیں، اگر اہل علم وصلاح اور دانا وبینا ان منکرات پر نکیر کرنے کی اپنی ذمہ داری نبھاتے رہیں، ظالموں کی گرفت کر کے انہیں ظلم سے روکتے رہیں، تو پورا معاشرہ درست ہوجائے گا اور معاشرے کے سارے افراد نجات پا جائیں گے، اور غضب الٰہی سے بچ جائیں گے، عقل مند وہ ہے جو بھلائی کا بدلہ بھی بھلائی سے دیتا اور برُائی کا بدلہ بھی بھلائی سے دیتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: تم خودغرض ومطلب پرست نہ بنو کہ یہ کہنے لگو کہ لوگ اگر بھلائی کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں گے، اور اگر برُا کریں گے تو ہم بھی ان کی برُائی کا بدلہ برُائی سے دیں گے، مگر اپنے نفس کواس کا خوگر بناؤ کہ اگر بھلائی کرے تو بھی اس کے ساتھ بھلا کرو اور اگر برُا کرے تو بھی اس کی برُائی کا بدلہ بھلائی سے دو، اللہ کی نبی ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم اس دنیا میں اور اپنی زندگی میں اصلاح کریں، بنانے کا فریضہ انجام دیں بگاڑنے کا نہیں، ہم اپنے اردگرد کی بھی اصلاح کریں اور دور کی بھی، ہم اس کائنات کیلئے مصلح بنیں مفسد نہیں ہم اسے مزین وآراستہ کریں، بگاڑیں نہیں، ہم اس میں جمال ورعنائی پیدا کریں قباحت وآلودگی نہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے سماج کے نقائص وکمزوری اور خلل کی نشاندہی کریں، اور اسے دور کرنے کی کوشش کریں، اور سماج کی تعمیر واصلاح میں حصہ لیں اور بھرپور رول ادا کریں، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ پہلے ہم اپنی کمزوری کو پہچانیں اور اسے دور کریں۔

09431015205 0612 - 2675321

ہر قسم کی عمدہ اور فرحت بخش چائے کا مرکز

ڈائمنڈ ٹی کمپنی

دریاپور گولہ، باری پتھ، پٹنہ - ۴

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کردے!!

مولانا ندیم الواجدی

مغربی یوپی کے ایک مشہور ومعروف مدرسے کے بارے میں خبر آئی ہے کہ وہاں نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے، اچھی خبر ہے۔ قنوت نازلہ کی مشروعیت کچھ اسی طرح کے احوال وظروف کیلئے ہے۔ امام ابوجعفر طحاویؒ فرماتے ہیں: کہ کسی مصیبت کے وقوع اور بلا کے نزول کے وقت صرف فجر کی نماز میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد قنوتِ نازلہ پڑھی جائے، امام بلند آواز سے یہ قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہیں۔ مصیبتوں اور بلاؤں سے حفاظت کیلئے یہ مؤثر روحانی تدبیر ہے، اور ایک مسنون عمل بھی، موجودہ حالات میں اس کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ راقم نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں قنوت نازلہ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ملک میں اُس وقت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے ایمرجنسی نافذ کردی تھی، اور ولی عہدِ سلطنت سنجے گاندھی نے خاندانی منصوبہ بندی کے عنوان پر مسلمانوں کی جبری نس بندی کا سلسلہ شروع کرکے ان کا ناطقہ بند کردیا تھا، چاروں طرف خوف کا عالم طاری تھا، لوگ دھڑا دھڑ داخلِ زنداں کئے جارہے تھے۔ اِن مشکل حالات میں دارالعلوم دیوبند نے پہل کی اور اپنی مسجد میں قنوت نازلہ کا سلسلہ شروع کیا، راقم نے دو تین ماہ پہلے ایک بڑے مدرسے کے ذمہ دار سے ان کے دفتر میں جاکر قنوتِ نازلہ کی تجویز رکھی تھی، اس وقت مدرسے کے ایک استاذ بھی وہاں تشریف فرما تھے، میری تجویز سے انہوں نے اس حد تک تو اتفاق کیا کہ واقعۃً ایسے حالات میں قنوت نازلہ پڑھی جانی چاہئے، لیکن یہ کہہ کر معذرت بھی کردی کہ ہم ہی میں سے کچھ لوگ اس کی خبر حکومت تک پہنچادیں گے، اس سے مدرسے کیلئے مشکلات بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔ اُس وقت مجھے احساس ہوا کہ اِن دنوں ہم خوف، مایوسی اور بزدلی کے کس قدر نازک دَور سے گزر رہے ہیں، میرا خیال ہے کہ خوف کی یہ کیفیت تو شاید 1947ء میں بھی پیش نہ آئی ہوگی، حالانکہ وہ وقت بھی بڑا سخت تھا، ملک تقسیم ہو رہا تھا، نقل مکانی کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا، لوگ اُجڑ کر اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے، مسلمان مہاجرین پر حملے ہو رہے تھے، مگر اُن حالات میں بھی مسلمان مایوسی اور خوف میں مبتلا نہیں ہوئے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں کی جتنی تعداد مملکتِ خداداد گئی اس سے کہیں بڑی تعداد یہیں رہ گئی، حالانکہ اُس وقت سرحدیں کھلی ہوئی تھیں، یہ لوگ جو آج تقسیم وطن کے ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں ترکِ

وطن کر کے پاکستان جاسکتے تھے، لیکن وطن کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئی، انہوں نے خلوص دل کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ وہ زندگی بھر یہیں رہیں گے، مرنے کے بعد بھی اسی کی خاک کا پیوند بن جائیں گے، ستر سال میں پہلی بار ایسا ہو رہا ہے کہ ان کے پیروں میں بندھی زنجیر توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے، انہیں پاکستانی ہونے کا طعنہ دیا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ اِس ملک سے چلے جائیں، حالانکہ یہ بات بالکل طے ہے کہ حب الوطنی کی جو زنجیر ان کے پاؤں میں پڑی ہے وہ کسی کو توڑنے سے ٹوٹنے والی نہیں ہے۔

اِس وقت پورے ملک میں مسلم دشمنی کی لہر چل رہی ہے، شاید ہی ارضِ وطن کا کوئی خطہ ایسا ہو جہاں مسلمان امن وسکون کے ساتھ رہ رہے ہوں، حالات اس قدر خراب ہیں کہ مسلم شناخت کے ساتھ سفر کرنا دشوار ہو گیا ہے، فقرہ کشی سے بڑھ کر نوبت اب زد و کوب تک جا پہنچی ہے، بعض اوقات تشدد کا نشانہ بننے والے افراد زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، جیسا کہ اخلاق کے ساتھ ہوا، پہلو خاں کے ساتھ ہوا، علیم الدین اور عثمان کے ساتھ ہوا، حافظ جنید کے ساتھ ہوا، یہ وہ لوگ ہیں اور ان کے علاوہ بھی کئی لوگ ہیں جنھوں نے بھیڑ کے ذریعے تشدد میں اپنی جان گنوائی ہے، زخمی ہونے والوں کی تعداد تو شمار بھی نہیں کی جاسکتی، یہ بے رحم قاتل درندے عورتوں اور بچوں کو بھی نہیں بخش رہے ہیں، مین پوری میں چلتی ٹرین کے اندر سفر کے دوران ایک مسلم کنبے کے ساتھ مار پیٹ کا واقعہ اس کا ثبوت ہے، مسلم دشمنی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ معمولی معمولی بات پر لوگ آستینیں سونت لیتے ہیں، اور خنجر نکال لیتے ہیں، بات اخلاق کے گھر میں بیف کی افواہ سے شروع ہوئی تھی، بڑھتے بڑھتے ٹرین کی سیٹ تک پھیل چکی ہے، آپ پہلے سے اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے ہیں، اچانک چند لوگ ٹرین میں سوار ہوتے ہیں اگر آپ نے ان کو اپنی سیٹ پیش نہ کی تو وہ آپ کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو سیٹ دینے کے باوجود بھی ان لوگوں کے تشدد کا شکار ہو سکتے ہیں، جیسا کہ حافظ جنید کے ساتھ ہوا کہ وہ خالی ٹرین میں اپنے بھائی کے ساتھ سوار ہوا، جب بھیڑ بڑھنے لگی تو اس نے ایک شخص کو اس کی طلب پر اپنی سیٹ بیٹھنے کیلئے دیدی، اس کے باوجود وہ ان لوگوں کے غصّے کا نشانہ بن گیا، کیوں کہ وہ اور اس کا بھائی سر سے پاؤں تک اسلامی شناخت لئے ہوئے تھے، صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ اگر آپ جنید شہید کی یا کسی اخلاق اور پہلو خاں کی حمایت میں کوئی لفظ بولیں گے تب بھی آپ بھیڑ کے عتاب کا شکار ہو جائیں گے، مین پوری میں یہی ہوا، شدت پسند جنونی اب ان لوگوں کو بھی نہیں چھوڑ رہے ہیں جو سیاست میں ان کا ہم رکاب ہیں مگر کیونکہ وہ مسلمان ہیں، اس لئے ان کا قصور قابل معافی نہیں ہے، ان کے اسکوٹر کی ڈگی کھلوا کر دیکھی جا رہی ہے اور اس میں رکھے ہوئے مٹن کو بیف کہہ کر بی جے پی کے مسلم کارکن کو عبرت ناک سزا بھی دی جا رہی ہے۔

تشویش کی بات یہ ہے کہ اب موب لنچنگ کا نشانہ وہ لوگ بن رہے ہیں جو مذہبی شناخت رکھتے ہیں، امرناتھ یاترا پر حملے کے خلاف احتجاج کے دوران ہریانہ کے حصار میں ایک مسجد کے امام کو ان کے حجرے سے نکال کر لایا گیا اوران کے ساتھ بدسلوکی کی گئی، اسی طرح بھاگلپور سے خبر آئی ہے کہ ٹرین میں بیٹھے ہوئے ایک امام گلزار احمد کو ان کی سیٹ سے بھیڑ نے یہ کہہ کر اٹھادیا کہ مسلمانوں کو سیٹ پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ امام صاحب کو مار پیٹ کر ٹرین سے باہر نکال دیا گیا، مجبوراً وہ دوسرے ڈبے میں گھسے اور دروازے سے لٹک کر انھوں نے اپنا باقی سفر پورا کیا، ملک کی موجودہ صورت حال پر بنگال کی وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی کا یہ تبصرہ کہ پورے ملک میں انارکی، ناانصافی اور لاقانونیت کا بول بالا ہے؛ حالات کی صحیح منظرکشی ہے، اگرچہ وزیر اعظم بھی اب بولنے لگے ہیں مگر بھگواغنڈوں پر ان کی فہمائش بالکل بے اثر ثابت ہورہی ہے، پارلیمنٹ کے رواں اجلاس سے قبل اپنی پارٹی کی میٹنگ میں انھوں نے گائے ماتا کی حفاظت کے جذبے کو سراہا لیکن اس کی آڑ میں قانون شکنی کو ناقابل برداشت بھی قرار دیا، انھوں نے ریاستی حکومتوں سے کہا کہ گئو رکشا کے نام پر تشدد پھیلانے والوں کو بخشا نہیں جانا چاہئے، اس طرح کے بیانات پہلے بھی دئے جاچکے ہیں اور آئندہ بھی دئے جائیں گے، لیکن گئو رکشکوں پر یا دوسرے شدت پسند عناصر پر ان بیانات کا کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے، کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی، اور اگر کسی وجہ سے کہیں کوئی تشدد پسند گرفت میں آبھی گیا تو جیل سے لے کر عدالت تک کے کسی بھی مرحلے میں اس کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، پولیس تفتیش میں رپورٹ کی خامیاں، گواہوں کے فقدان اور عدالت کے نرم رویّے انہیں باعزت بری کردیں گے، اخلاق اور پہلو خاں کے معاملے میں یہی ہوا، کچھ وقت کیلئے ملزمین بند ضرور ہوئے مگر اب آزاد گھوم رہے ہیں، حالات نہایت حوصلہ شکن ہیں، مسلمانوں کی ہمت جواب دیتی جارہی ہے، مزاحمت اور دفاع کی سکت بھی اب ان میں باقی نہیں رہی، ان حالات میں صرف یہی ایک تدبیر باقی رہ جاتی ہے کہ مسلمان اللہ کی طرف رجوع کریں، اور اس کی بارگاہ میں عاجزی اور فروتنی کے ساتھ گڑگڑائیں، قنوت نازلہ ایسے ہی ہمت شکن حالات کیلئے مسنون ہوئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اجتماعی مصیبت کے وقت قنوت نازلہ کا اہتمام فرمایا ہے، بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی اور بعض قبائلِ عرب کے خلاف بددعا فرمائی، قنوت نازلہ صرف مساجد ہی میں نہیں گھروں میں بھی پڑھی جاسکتی ہے، اس کیلئے نماز باجماعت بھی شرط نہیں، مقیم، مسافر، امام، مقتدی، منفرد، مرد، عورت سب لوگ اس دُعا کا اہتمام کرسکتے ہیں، اورامت مرحوم کیلئے مشکلات سے گلوخلاصی کی دُعا مانگ سکتے ہیں۔ ○ ❖ ○

سفر حج؛ بڑے نصیب کی بات ہے!

خالدانور پورنوی المظاہری

حجاج زیارتِ حرمین شریفین کیلئے روانہ ہورہے ہیں، کچھ راستے میں ہیں، اور کچھ حرمین شریفین تک پہونچ چکے ہیں، زبان پر" **لَبَّیْک ، لَبَّیْک ، اللّٰھُمَّ لَبَّیْک** " کی صدائیں ہیں، اوردل میں خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق، ایک ہی تمنا لئے ہوئے ساری ظاہری زیب وزینت کو چھوڑکر دربارِالٰہی میں حاضری چاہتے ہیں: کہ میرا رب مجھ سے راضی ہوجائے۔

ایک ہی لباس وپوشاک ہیں سب کے، شاہ وگدا، امیر وغریب، حاکم ومحکوم سب برابر ہیں یہاں، کیا انوکھی اور نرالی وردی ہے سب کے جسم پر، دوسادہ چادریں جوکفن، قبروحشر کی یاددلاتی ہیں۔ ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے، اجتماعیت اور مساوات کا ایسا خوبصورت منظر کہ اب نہ کوئی بندہ رہا اور نہ بندہ نواز۔

بڑی بڑی حسین وجمیل عمارتیں، اورفن تعمیر کے خوبصورت نمونے دیکھے ہونگے لوگ، مگر وہ دل کشی اور رعنائی جوکعبۃ اللہ میں اللہ نے رکھی ہے وہ سب سے ماسوا ہے، عبدیت اور بندگی کے سوا کسی چیز کا بھی ہوش نہیں رہتا، کیا ہے دنیا، اوردنیا کی لذتیں اورخواہشات؟ خانہ کعبہ کو دیکھنے کے بعدانسان سب کچھ بھول چکا ہوتا ہے۔

پوری دنیا کھنچی چلی آرہی ہے، ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اس آواز پر جوانہوں نے ایک ویران وادی غیرذی ذرع میں لگائی تھی، صدیاں گذرگئیں ؛مگر پھربھی" میں حاضرہوں، میں حاضرہوں اے میرے اللہ! میں حاضرہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ساری تعریف، نعمت اور ملک تیرا ہی ہے اس میں کوئی شریک نہیں" کہتا ہوا کعبۃ اللہ کی طرف پوری دنیا سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ چلے آرہے ہیں، اتنی بڑی بھیڑ، اوراتنا بڑا مجمع مگر نہ لڑائی، نہ جھگڑا، سب ایک ہی مقصد کے تحت دیوانہ وار کبھی کعبۃ اللہ کا طواف کررہے ہیں، تو کبھی صفاومروہ کے درمیان دوڑلگارہے ہیں، حجراسود کا بوسہ نہیں لے سکتے تو دور سے ہی استلام کرتے ہیں، کبھی زمزم کا پانی پیتے ہیں، تو کبھی میدان عرفات کی طرف چلے جارہے ہیں، جہاں نہ چھت ہے، نہ سائبان، ہاں اللہ کے رسول کا یہی فرمان ہے، اوریہی کافی ہے ایک مسلمان کیلئے۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی آواز اور حج کے لئے لوگوں کو دعوت دینے میں اللہ نے کون سی تاثیر رکھی تھی کہ

ہر آئے دن حاجیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، اور پوری دنیا اس کی طرف کھینچی چلی آ رہی ہے، 40 / لاکھ کی تعداد کم نہیں ہوتی ہے، مختلف رنگ و نسل اور زبان و بیان کے باوجود؛ جو امن و سکون اور شانتی کا ماحول وہاں دیکھنے کو ملتا ہے وہ صرف ایک معجزہ ہے اور اللہ کے رسول، پیارے حبیب، سرکار دو عالم ﷺ کی مقدس سرزمین کی برکت کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اس دعاء کا اثر ہے جو اس سرزمین کی امن و شانتی کے لئے انہوں نے مانگی تھی۔

موجودہ سعودی حکومت نے بھی اس امن و سکون کو بحال و برقرار رکھنے اور عالمی اجتماع کے باوجود اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت کی راہ ہموار کرنے اور حج کی تمام پالیسیوں، حرمین شریفین کی توسیع اور حجاج و معتمرین کیلئے آسانیاں فراہم کرنے میں جو خدمات انجام دی اور دے رہی ہیں وہ یقیناً لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہے۔

العربیہ نیٹ کے حوالہ سے خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز کا یہ بیان ہمارے سامنے ہے، وہ کہتے ہیں: ''حجاج کرام کی خدمت ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ یہ عظیم الشان فریضہ ہماری اور پوری قوم کیلئے باعث شرف بھی ہے، حجاج کرام کو آرام و سکون مہیا کرنا اور ان کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا خیال رکھنا ہماری اولین ذمہ داری ہے، مکۃ المکرّمہ، مقامات مقدسہ، مدینۃ المنورہ میں جتنے بھی ترقیاتی اور تعمیراتی منصوبے شروع کئے گئے ہیں، ان کا مقصد اللہ کے گھر آنے والے مہمانوں کو زیادہ سے زیادہ سہولیات فراہم کرنا ہے''۔ خادم الحرمین نے وزارت برائے امور حج سے حج کی تیاریوں کا جائزہ لیتے ہوئے واضح طور پر کہا ہے: ''کہ حجاج کرام کی خدمت کرنے میں کسی قسم کی لاپرواہی نہ کریں'' یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حج کے لئے جا چکے ہیں وہ بخوبی واقف ہیں کہ حجاج کرام کی خدمت پر مامور ہر ہر شخص حجاج کرام کی خدمت کو اپنے لئے پیشہ وارانہ ڈیوٹی نہیں سمجھتا ہے؛ بلکہ دینی اور انسانی فریضہ کے ساتھ اپنے لئے باعث اعزاز و فخر بھی سمجھتا ہے۔

عرب ذرائع ابلاغ کے مطابق حج 2017 کیلئے بھی ہر طرح کی تیاریاں کر لی گئی ہیں، غیر ملکی عازمین حج کو مہیا کی جانے والی رہائش، خوراک، ٹرانسپوٹ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے جو بھی طریقے ہو سکتے ہیں اس پر عمل در آمد شروع ہو چکا ہے، وزارت برائے امور حج نے ان تمام کمپنیوں کے نام فرمان بھی جاری کر دیا ہے جن کی خدمات امور حج میں لی جاتی ہیں، حج سروس کمپنی کے غیر معیاری خدمات کی شکل میں وزارت حج نے واضح طور پر اعلان کیا ہے اس کہ صورت میں اس پر جرمانہ عائد کیا جائے گا، ایک سیزن یا اس سے زیادہ کام کے لئے یا تو اس کو کام سے

روک دیا جائے گا، یا لائسنس منسوخ کر دیا جائے گا، امور مفوضہ کی پاسداری کے سلسہ میں کمپنیوں سے مالی ضمانت بھی لی گئی ہے، تاکہ حج کے لئے کسی طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنے کی صورت میں سخت نوٹس لی جائے۔

جگہ جگہ حجاج کی رہنمائی کیلئے سائن بورڈ، پانی کا نظم، اہم مقامات پر آویزاں بڑی بڑی راہنما اسکرینیں، چاک وچوبند اسپیشل فورس، پولیس کے دستے، کشادہ داخلی اور خارجی اَن گنت راستے، ان راستوں سے نکلتے ایمرجنسی راستے، فضا میں گشت کرتے ہیلی کاپٹرز، ایک ایسا منظّم اور مربوط نظام کہ دیکھنے والا اور زیارت حرمین کیلئے گیا ہوا ہر حاجی تعریف کئے بنا نہیں رہتا ہے، کسی بھی حاجی کے بڑے سے بڑے، یا بھیانک مرض کی شکل میں بھی اس کا علاج وہاں مفت کیا جاتا ہے، کسی طرح کی کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے، اور نہ کسی دوسرے ملک کے باشندہ ہونے کی وجہ سے عدم دلچسپی کا مظاہرہ ہوتا ہے، بلکہ وہی شوق ورغبت، اور وہی جذبہ ان کے ساتھ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ 2015 کی کی ایک جائزہ رپورٹ کے مطابق 20/لاکھ حاجیوں کی خدمات کیلئے ڈیڑھ لاکھ سیکوریٹی، 23,000/سرکاری وظیفہ خوار، 8,000/رہنما، 43,000/خیمے، 40,000/بسیں، 555/ایمبولینس، 25/اسپتالس، 5,000/بیڈ، 55/شفاخانے، اور 38,000/ دیگر خدماتی آلات مقرر کئے گئے، جمرات تک آنے کیلئے دس اور جانے کیلئے گیارہ راستے، پانچ وسیع پل تعمیر کئے گئے، جگہ جگہ برقی سیڑھیاں، اور اب خانہ کعبہ کے مطاف میں 600 وزنی ٹن چھتری کا بھی نظم کر دیا گیا ہے تاکہ طواف کرنے والوں کو شدید گرمی کی وجہ سے کسی طرح کی دقت اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

یہ تو حکومتی سطح پر ہے؛ وہاں کے مقامی لوگوں کی خدمات اور حجاج کے تئیں ان کی قربانیاں اس سے کم نہیں ہیں، جگہ جگہ پانی پانی، چائے اور دیگر مشروبات کا نظم، کھجور اور دوسرے غذائیت سے بھرپور چیزوں کی تقسیم ان کی فطرت ثانیہ ہے، جس مسجد میں چلے جائیں دروازہ میں پانی سے بھرا کارٹون، کھجوروں کے پیکیٹ، بریانی پر مشتمل ہزاروں ڈبے تقسیم کے لئے رکھے ہوتے ہیں، میدان عرفات اور منیٰ میں تو اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے، ان مقامات میں دکانیں تو نظر نہیں آتی ہیں، ہاں ٹرک میں بھر بھر کر جس طرح یہ لوگ کھانے، پینے کی چیزیں حجاج کو پیش کرتے ہیں، یقیناً یہ اعلیٰ ظرفی، مہمان نوازی، اور حجاج کے تئیں عقیدت کا اظہار؛ قابل رشک ضرور ہے، اللہ انہیں بہتر بدلہ عطاء فرمائے۔

حج مذہب اسلام کا پانچواں رکن ہے، وہ لوگ یقیناً خوش نصیب ہیں، جنہیں اللہ نے زیارت حرمین

شریفین کا موقع نصیب فرمایا ہے، حدیث پاک میں انہیں اللہ کا وفد کہا گیا ہے، اگر وہ اللہ سے دعاء کریں تو ان کی دعاء قبول کی جاتی ہیں، اور اللہ سے مغفرت چاہیں تو اللہ ان کی مغفرت فرماتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے حاجیوں کی مغفرت کے لئے دعاء مانگی ہے اور ان کی مغفرت کے لئے بھی اللہ کے رسول نے دعاء مانگی ہے، جس کی مغفرت کے لئے حجاج دعاء مانگیں، حجاج کی یہ فضیلت اور مقام ومرتبہ اس لئے بھی ہے چونکہ جس مقدس سرزمین پر اس کی حاضری ہوئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت فرمایا تھا: قسم خدا کی تو اللہ کے نزدیک تمام جہان میں سب سے زیادہ پیارا اور بہتر گھر ہے، اگر کفار قریش مجھ کو ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں کبھی بھی یہاں سے نہیں نکلتا، جس نے ایک وقت حرم شریف میں نماز ادا کی اللہ کے رسول نے فرمایا: ایک لاکھ نماز کا ثواب ملے گا، ایک حاجی جب حج کر کے واپس گھر لوٹتا ہے اللہ کے رسول نے فرمایا ہے: وہ گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا، حج مبرور اور مقبول کا بدلہ صرف جنت ہے، اور وہ شخص جس کو اللہ نے وسعت دی، مال ودولت سے نوازا، بیت اللہ تک پہونچنے کی صلاحیت اور قدرت کے باوجود حج کو نہیں گیا، اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں: اس کا یہودی ہو کر مرنا اور نصرانی ہو کر مرنا برابر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس کو نہ کسی صریح حاجت نے حج سے روکا، نہ کسی ظالم سلطان نے، نہ کسی روکنے والے مرض نے، پھر بھی حج نہ کیا، اور اسی حالت میں موت آجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر!

حج اعتراف بندگی کا اہم ذریعہ ہے، اور عشق ومحبت کی ایسی داستان کہ لاکھوں کے مجمع میں خانہ کعبہ کا طواف، صفا ومروہ کی سعی، ایک دن منیٰ میں پڑاؤ، دوسرے دن عرفات میں، اور رات مزدلفہ میں کھلے آسمان تلے، پھر منی میں قیام، جمرات کی رمی، سارے تھکا دینے والے اعمال؛ مگر پھر بھی وہی جوش وجذبہ اور زبان پر لبیک، لبیک کی صدائیں، اس بات کی گواہ ہیں کہ حج کا مقصد خالص رضائے الٰہی کا حصول اور سنت نبوی کی پیروی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی بار بار سفر حج کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

آیا ہے حج کا موسم جا رہے ہیں، قافلے اے اللہ!
مجھ پر بھی کرم کر دے، ہو جائے میری بھی حاضری

9934556027

انمول باتیں

رشتوں میں محبت کیسے پیدا کریں؟

طالبِ دعا: حسین احمد عفی عنہ

❍	ایک دوسرے کو سلام کریں۔	مسلم:54
❍	ان سے ملاقات کرنے جائیں۔	مسلم:2567
❍	ان کے پاس بیٹھنے اٹھنے کا معمول بنائیں۔	لقمان:15
❍	ان سے بات چیت کریں۔	مسلم:2560
❍	ان کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آئیں۔	سنن ترمذی:1924
❍	ایک دوسرے کو ہدیہ وتحفہ دیا کریں۔	صحیح الجامع:3004
❍	اگر وہ دعوت دیں تو قبول کریں۔	مسلم:2162
❍	اگر وہ مہمان بن کر آئیں تو ان کی ضیافت کریں۔	ترمذی:2485
❍	انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔	مسلم:2733
❍	بڑے ہوں تو ان کی عزت کریں۔	سنن ابوداؤد:4943
❍	چھوٹے ہوں تو ان پر شفقت کریں۔	سنن ابوداؤد:4943
❍	ان کی خوشی وغم میں شریک ہوں۔	صحیح بخاری:6951
❍	اگر ان کو کسی بات میں اعانت درکار ہو تو اس کام میں ان کی مدد کریں۔	صحیح بخاری:6951
❍	ایک دوسرے کے خیر خواہ بنیں۔	صحیح مسلم:55
❍	اگر وہ نصیحت طلب کریں تو انہیں نصیحت کریں۔	صحیح مسلم:2162
❍	ایک دوسرے سے مشورہ کریں۔	آل عمران:159
❍	ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں۔	الحجرات:12
❍	ایک دوسرے پر طعن نہ کریں۔	الہمزہ:1
❍	پیٹھ پیچھے برائیاں نہ کریں۔	الہمزہ:1

❍	چغلی نہ کریں۔	صحیح مسلم:105
❍	آڑے نام نہ رکھیں۔	الحجرات:11
❍	عیب نہ نکالیں ۔	سنن ابوداؤد:4875
❍	ایک دوسرے کی تکلیفوں کو دور کریں۔	سنن ابوداؤد:4946
❍	ایک دوسرے پر رحم کھائیں۔	سنن ترمذی:1924
❍	دوسروں کو تکلیف دے کر مزے نہ اٹھائیں۔	المطففین
❍	ناجائز مسابقت نہ کریں۔مسابقت کر کے کسی کو گرانا بری عادت ہے۔ اس سے ناشکری یا تحقیر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔	صحیح مسلم:2963
❍	نیکیوں میں سبقت جائز ہے جبکہ اس کی آڑ میں تکبر، ریاکاری اور تحقیر کارفرمانہ ہو۔	
❍	طمع، لالچ اور حرص سے بچیں۔	التکاثر:1
❍	ایثار وقربانی کا جذبہ رکھیں۔	الحشر:9
❍	اپنے سے زیادہ آگے والے کا خیال رکھیں۔	الحشر:9
❍	مذاق میں بھی کسی کو تکلیف نہ دیں۔	الحجرات:11
❍	نفع بخش بننے کی کوشش کریں ۔	صحیح الجامع:3289
❍	احترام سے بات کریں۔بات کرتے وقت سخت لہجے سے بچیں۔	آل عمران:159
❍	غائبانہ اچھا ذکر کریں ۔	ترمذی:2737،صحیح
❍	غصہ کو کنٹرول میں رکھیں۔	صحیح بخاری:6116
❍	انتقام لینے کی عادت سے بچیں۔	صحیح بخاری:6853
❍	کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔	صحیح مسلم:91
❍	اللہ کے بعد ایک دوسرے کا بھی شکرادا کریں۔	سنن ابوداؤد:4811
❍	اگر بیمار ہوں تو عیادت کو جائیں۔	ترمذی:969،صحیح
❍	اگر کسی کا انتقال ہوجائے تو جنازے میں شرکت کریں۔	مسلم:2162

❍❖❍

10 رمئی 1857ء کی جنگ آزادی کے کچھ بھلا دیئے گئے حقائق!

ترتیب: ڈاکٹر اجمل فاروقی - گاندھی روڈ، دہرہ دون

1857ء مولوی احمد اللہ شہید فیض آبادیؒ

مدراس کے رہنے والے مولانا عرصے سے فیض آباد میں رہتے تھے، بڑے جاگیردار تھے۔ ان کی جائیداد ضبط کر کے پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ عوام نے ودروہ کر کے انہیں جیل سے نکال لیا۔ بریلی، شاہ جہاں پور میں انگریزوں سے لڑے۔ انھوں نے دوبار سر کولن کیمبل کو نیچا دکھایا۔ انگریزوں نے راجاپون سے غداری کرا کر انھیں راجا کے ہاتھوں شہید کروایا۔ ہومس نے لکھا کہ ''اگر اس وقت ہندوستان میں کوئی ماہر شاسک تھا تو وہ مولوی صاحب تھے۔ اگر وہ بادشاہ بنتے تو یہ ان کا حق تھا۔ پنڈت سندر لال نے کہا دنیا میں آزادی کے شہیدوں میں ان کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جائے گا۔ ان کے علاوہ مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا عبدالجلیلؒ امام جامع مسجد علی گڑھ، مولوی لیاقت علیؒ الہ آبادی، مولانا جعفرؒ تھانیسری، مولانا محمد یحییٰ علیؒ، مولانا شفیعؒ مبالوی، مولانا مملوک علیؒ، مولانا پیر محمدؒ، مولانا سرفراز علیؒ بھی لاکھوں ہندوستانیوں کی اگوائی کر رہے تھے جو دیش کی عزت آزادی اور فخر کیلئے جان و مال کی قربانی دے رہے تھے۔

انگریزوں کا ظلم

ڈاکٹر ولیم نے باقی انگریز شاسکوں کی طرح مسلمانوں کو غدر کا ذمہ دار ٹھہرا کر انہیں ظلم اور لوٹ پاٹ و تباہی کا نشانا بنایا۔ 15 ردنوں میں 2 رلاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ داڑھی، لمبا کرتا باغی کی پہچان تھی۔ باغی کا دوسرا نام مسلمان بتایا گیا۔ کل 51 رہزار علماء کو شہید کیا گیا۔ (Thomson) تھومسن نے یہ تعداد تین سالوں میں 14 رہزار بتائی ہے۔ چاندنی چوک سے خیبر تک کوئی پیڑ ایسا نہ تھا کہ عالم کی لاش نہ لٹکی ہو۔

بادشاہ ظفر کے شہزادوں: مرزا خضر سلطان، مرزا مغل، مرزا ابو بکر اور مرزا عبداللہ کو (Hudson) ہڈسن نے خود گولی ماری اور خون پیا۔ علماء کو بڑے پیمانے پر کالا پانی کی سزا دی گئی۔ جامع مسجد دہلی کو فوج کا اصطبل بنا دیا۔ ہزاروں عورتوں نے کنوؤں اور باولیوں میں کود کر عزت بچائی۔ 1857ء سے 1861ء تک تین لاکھ قرآن جلائے گئے تاکہ مسلمانوں میں سے جہاد کا خیال نکالا جا سکے۔ الہ آباد، فتح پور، بریلی جہاں بھی انگریزوں نے جیت حاصل کی، بستیوں کو جلا دیا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں سب کو مار دیا۔ گھروں کو تباہ کرنا ان

کی خاص سزا تھی۔ دہلی میں آج بھی جمنا پل کے پاس سوتنترا سینانی اسمارک میں وہ بوڑھا برگد موجود ہے جس پر 1,400 رمسلمانوں کو پھانسی دی گئی تھی۔ اسی پیڑ کے پاس کنوؤں میں اندھیری کوٹھریاں موجود ہیں جس میں مسلمان قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ منشی ذکاء اللہ نے لکھا ہے کہ 1857ء کے بعد ایک انگریز افسر لوگوں کو پوچھتا تھا کہ وہ ہندو ہے کہ مسلمان اور جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا تھا۔ لارڈ رابرٹ (Lord Robert) نے اپنی کتاب (Years in India-41) میں لکھا کہ دہلی کی فتح کے بعد انگریزوں نے قتل عام کی منادی کرادی اور سات دنوں تک دہلی جلتی لٹتی رہی۔ 27,000 رمسلمانوں کو عدالتوں نے پھانسی دی اور قتل عام میں جو مارے گئے ان کا کوئی حساب نہیں۔ رڑکی میں سنہرا گاؤں میں برگد کا پیڑ آج بھی موجود ہے جہاں 250 رہندوستانیوں کو پھانسی دی گئی تھی۔ نوح میں نیم کے درخت پر 52 رمیواتیوں کو اور فیروز پور جھرکا میں املی کے پیڑ پر سیکڑوں متوالوں کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔ مرادآباد کے نواب مجو خان شہید کی لاش کو ہاتھی کے پیر سے باندھ کر شہر میں گھسیٹا گیا، بعد میں چونے کے پانی میں ڈال کر جلایا گیا۔ The other side of the Medal میں Lt.Robertson نے لکھا: ''ہم لوگ پیشاور سے جہلم تک پیدل سفر کرتے ہوئے پہنچے راستے میں کچھ ضروری کام کرتے آئے۔ باغیوں سے اسلحہ چھینا؛ انہیں پھانسی پر لٹکایا۔ توپ سے اڑانے کا جو طریقہ ہم نے استعمال کیا اس سے ہمارا ڈر لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ فوجی عدالت کے حکم سے باغیوں کے سر قلم کر دیئے گئے اور یہی پالیسی اس وقت تمام چھاونیوں میں عمل میں لائی جارہی ہے۔'' جھجھر کے نواب عبدالرحمٰن شہید کو پھانسی دی گئی کیونکہ وہ باغیوں کی مدد کرتے تھے۔ اکبرآبادی مسجد میں شاہ ولی اللہ کا مدرسہ برباد کر دیا گیا۔ صرف دہلی میں ایک لاکھ گھر اور مسجدیں زمین سے ملا دیں۔

اردو اور آزادی کا سفر

آزادی کی جنگ میں انقلابیوں کے دہلی میں جمع ہونے کے بعد سے وہاں سے تمام ملک کی چھاؤنیوں اور شہروں کو اردو میں خط لکھ کر ابھارا گیا۔ نانا صاحب، خان بہادر خان، بیگم حضرت محل سب نے اردو میں خط بھیج کر جہاد کیلئے لوگوں کو اکسایا۔ اردو کے اخباروں طلسم لکھنو، صادق الاخبار، دہلی گزٹ، اردو اخبار دہلی، سراج الاخبار دہلی، اردو معلیٰ دہلی، حبیب الاخبار بدایوں اردو کیلئے فخر کی بات ہے کہ ''دہلی اردو اخبار'' کے ایڈیٹر محمد باقر کو گولی ماری گئی۔ بہادر شاہ ظفر کے نواسے مرزا بیدار بخت نے ''پیامِ آزادی'' کے نام سے رسالہ میں آزادی کا Manifesto چھاپا۔ مرزا بیدار بخت کو انگریزوں نے ان کے جسم پر سور کی چربی مل کر شہید کیا۔ اس اخبار کے ایڈیٹر عظیم اللہ خان تھے۔ انہیں پھانسی دی گئی۔ بشکریہ دارالعلوم دیوبند ویب سائٹ ○❖○

کھلونا سمجھ کر برباد نہ کرنا!

خالدانورپورنوی المظاہری

15 راگست 1947ء کو یہ ملک آزاد ہوا، دوسوسال کی طویل جدوجہد، جان، مال، اولاد و املاک اور عزت وآبرو کی قربانی کے بعد، آزاد فضا میں ہم نے سانس لی، تقسیم کے درد کے باوجود سب نے اس حقیقت کو قبول کیا کہ ہندوستان اب غلام نہیں رہا، مگر مسلمانوں کے دامن پر ایک داغ لگا اور تقسیم کیلئے وہ ذمہ دار ٹھہرادئے گئے۔

ملک کیلئے اتنی بڑی قربانی پیش کرنے کے باوجود مسلمانوں کو کیا ملا؟ پاکستان بنوالینے کا الزام، اور وہ بلاوجہ اپنے ناکئے کی سزا 68رسالوں سے کاٹ رہے ہیں، جیلوں کو ان سے آباد کیا جاتا ہے، طرح طرح کے بے بنیاد الزمات کے ذریعہ احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ناانصافیوں کا یہ لامتناہی سلسلہ یہاں تک ہے کہ وہ زندگی کے ہرمیدان میں سب سے پیچھے ہے، جسٹس سچر کمیٹی کی رپورٹ اس تلخ حقیقت کو اجاگر کرنے کیلئے کافی ہے۔

جب کہ ایک ہزار سال ہم نے اس ملک میں حکومت کی، یہاں کے باشندوں کو تہذیب وثقافت سے آشنا کیا، عدل وانصاف اور حکومت کرنے کا طریقہ سکھایا، تاج محل، قطب مینار، لال قلعہ اور گول گنبد کی شکل میں فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ دیا، ثقافت وسیاست، صنعت وحرفت، تجارت وزراعت میں پوری دنیا میں ہندوستان کا سربلند کیا، اور جب اسے سونے کی چڑیا بنادیا تو انگریز تجارت کے بہانے اس ملک میں داخل ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔

آزادی کی جدوجہد میں بھی مسلمان، بالخصوص علماء کرام ہی سب سے آگے، اور سب سے زیادہ پرجوش تھے، اس لئے انگریز نے انہیں ہی سب سے زیادہ مشق ستم بنایا، علماء کرام نے تمام مظالم کا سینہ سپر ہوکر مقابلہ کیا، انگریز سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، اس کے نتیجہ میں آزادی کا پروانہ حاصل کرلیا؛ لیکن اس کے صلہ میں ملا کیا: ''تمہارے لئے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں!!

جب گلستاں کو خوں کی ضرورت پڑی ☆ سب سے پہلے ہماری ہی گردن کٹی
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے اے اہل چمن ☆ یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

○ ○ ○

اٹھارویں صدی کی شام ہندوستانی عظمت اور مغلیہ سلطنت کا آفتاب غروب ہورہا تھا، اور انگریزی اقتدار کی صبح صادق نمودار ہورہی تھی، مسلمانوں کی تمام طاقتیں ختم ہوچکی تھیں، اور جو بچی کھچی تھیں، مفلوج ہوکر انگریزی

اقتدار کے سامنے سر جھکا چکی تھیں، 1800ء کے اخیر میں انگریزی فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں، مغلیہ اقتدار کی محافظ مرہٹہ فوجیں انگریزوں کی طاقت کے سامنے ٹھہر نہ سکیں، مجبوراً شکست خوردہ دہلی نے انگریزوں کا استقبال کیا، دہلی پر قبضہ کرلیا، اور ایک سوچی سمجھی اور طے شدہ پالیسی کے تحت بادشاہ کو معزول کرنے اور تخت وتاج چھیننے کے بجائے اسے برقرار رہنے دیا گیا، چونکہ تجارتی مقاصد کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ملک گیری کیلئے وہ راستے نہ اختیار کئے جائیں جس سے عوام میں بددلی پیدا ہوجائے، یہی نہیں بلکہ تہذیب اور کلچر کے لحاظ سے بھی ہندوستانیوں سے حفاظت کا وعدہ کیا گیا، ہندوؤں کے سماجی معاملات پنڈتوں کے اور مسلمانوں کے معاشرتی معاملات قاضی کے سپرد کرکے ان کو تہذیبی خودمختاری بھی دے دی گئی، اس پالیسی کے تحت بادشاہ کو تخت وتاج پر باقی رکھتے ہوئے اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کیلئے تسلیم کرالیا، اور یہ معاہدہ لکھوالیا گیا: ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا''

بظاہر مذہب بھی محفوظ، تہذیب بھی محفوظ، بادشاہ کی بادشاہت اور آل تیمور کی عظمت بھی محفوظ، موجودہ حالات کو آزادی کہا جائے، یا غلامی۔

ایک بہت ہی پیچیدہ سوال تھا کہ ہندوستان کو دارالاسلام مانا جائے، یا دارالحرب کہا جائے، جہاں برسر اقتدار حکومت سے جنگ کرنا مذہباً فرض ہے، یا دارالامن کہا جائے کہ حکومت تو غیر مسلم کی مگر مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے، اور اس کی جان ومال بھی محفوظ ہے، اس بناء پر حکومت سے جنگ کرنا درست نہیں؟ انگریز جیسی شاطر اور ڈپلومیٹک قوم نے جو پالیسی اپنائی، علماء کرام اور سیاسی مفکرین کے بیچ اختلاف رائے ہونا ناممکن بھی نہیں تھا، اور ہوا بھی ایسا ہی۔

مگر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی سیاسی درسگاہ کے تربیت یافتہ ایک بوریہ نشیں، پختہ کار ایسے شعبدوں سے مسحور ہونے والے نہیں تھے، شاہ عبدالعزیزؒ اپنی فراست سے انگریز کی اس شاطرانہ چال کو سمجھ لیا، اور انگریزی حکومت کے خلاف ایک فتویٰ جاری کردیا۔ وہ لکھتے ہیں:

اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے۔ یہاں رؤساء نصاری (عیسائی افسران) کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے۔ اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات رعیت، خراج، باج، عشر ومالگزاری، اموال تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کا تصفیہ، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس دیوانی وفوجداری، معاملات، کسٹم اور ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں۔ ہندوستانیوں کو ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بیشک نماز جمعہ، عیدین، اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے۔ لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے

(یعنی ضمیر اوررائے کی آزادی اورشہری آزادی) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے، چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کردیتے ہیں، اورعوام کی شہری آزادی ختم ہوچکی ہے۔ انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندوان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف وجوانب میں نہیں آسکتا۔ عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بناء پر نہیں، بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے۔ اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہوسکتے۔ دہلی سے کلکتہ تک انہیں کی عملداری ہے۔ بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اوررام پور میں چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کرلی ہے، براہ راست نصاری کے احکام جاری نہیں ہوتے، مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

شاہ صاحبؒ نے اپنے اس فتویٰ میں ظلم وستم کی جو شکایت کی ہے، اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کا بھی ذکر کیا ہے، اوراس حقیقت کو واضح کیا کہ ہندوستانی لوگوں کو انگریزوں کی جانب سے دی جانے والی سہولیت کے باوجود ہندوستان دارالحرب ہے، اس لئے ہر محبّ وطن کا فرض ہے کہ اس اجنبی طاقت سے اعلان جنگ کرے، جب تک اس کو ملک بدر نہ کردے اس میں زندہ رہنا اپنے لئے حرام سمجھے۔

شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی دلیل بھی نقل کی کہ دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہوتا ہو، اور جو اس کے ماتحت ہو، اور دارالحرب سے مراد وہ آبادی ہے جس پر اس شہر کے غیر مسلم حکمراں کا حکم جاری ہو، اوراس کے غلبہ وتسلط میں ہو۔

یہ فتویٰ دشمنوں کے نخل تمنا پر بجلی بن کر گری، جگہ جگہ آزادی کے شعلے بھڑکنے لگے، سینوں میں ولولے مچلنے لگے، حوصلوں نے انگڑائیاں لینی شروع کردیں، یہی نہیں مسلمانوں اور مرہٹوں کے بیچ جو پرانی جنگ چل رہی تھی وہ بھی اس دور میں ختم ہوگئی، مرہٹی علاقوں کے مسلمان مرہٹوں کی فوج میں شامل ہوکر انگریزوں کے خلاف برسر پیکار ہوگئے، اور علماء کرام نے انگریز کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرلیا۔

1818 تک ہندوستان کی تما طاقتیں انگریزوں کے سامنے سر جھکا چکی تھیں، یہ وہ دور تھا کہ انگریزی حکومت کا جھنڈہ درہ خیبر سے راس کماری تک ممبئی سے لے کر آسام اور برما کے ساحل تک لہرانے لگا تھا، انگریزی حکومت کے ساتھ مقابلہ اور آنکھ سے آنکھ ملانے کی کسی میں ہمت نہیں تھی، صرف ایک شخصیت تھی جو انگریزوں کے سامنے سر جھکانے کیلئے تیار نہ تھی، وہ شخصیت تھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی جنہوں نے اپنے بڑھاپے، بیماری، نقاہت وکمزوری کے باوجود نہ صرف یہ کہ فتویٰ جاری کیا، بل کہ اپنے شاگردوں، مریدوں

اور علماء کرام کی ایک جماعت کو انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کے لئے تیار کیا، ان کی تربیت کی، اور میدان جنگ میں اتارا، حضرت سید احمد شہیدؒ اوران کے رفقاء کارمیدان جنگ میں اترے، اور پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کر کے اس غلامی کی فضا کو آزادی کے موافق بنادیا، اور ہمیں کہنے دیجئے کہ اس کے بعد ملک کی آزادی کے لئے جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں، اور ملک آزاد بھی ہوا، وہ اسی افتویٰ کا اثر تھا۔

پتہ پتہ، بوٹہ، بوٹہ حال ہمارا جانے ہے
جانو نہ جانو تم ہی نہ جانو باغ تو سارا جانے ہے

ہمارا ایک ہی مقصد تھا کہ انگریزوں کو بھگا کر ظلم اور فتنہ سے اس ملک کو پاک وصاف کریں، تا کہ ہندو مسلم اور سبھی لوگ عزت وخودداری کی زندگی بسر کریں۔

اسی لئے 1857ء کی جنگ آزادی میں ہمارے علماء کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مگر افسوس کہ کامیابی نہیں مل سکی، اس لئے پر جوش علماء پیدا کرنے کیلئے مدارس ومکاتب کے قیام کا پروگرام بنایا، اور 1866ء میں دارالعلوم دیوبند قائم فرمایا، اوراس کے بعد ہزاروں مدرسے قائم ہوئے، جس سے پیدا علماء کرام نے اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ ملک کے فضا کو گرما دیا، اور ہر طرف آزادی کی لہر دوڑنے لگی۔

اٹھارویں صدی کے طلوع آفتاب سے لیکر ۱۵راگست ءتک تحریک مجاہدین، دارالعلوم دیوبند، ریشمی رومال تحریک، ثمرۃ التر، جمعیۃ الانصار، خلافت کمیٹی، صیداللہ، جمعیۃ علماء ہند جیسی تنظیمیں قائم کر کے ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہم نے حصہ لیا۔ بالآخر یہ ملک آزاد ہو گیا۔

ہماری تحریک بے لوث تھی، ہماری قربانی کسی صلہ کیلئے نہیں تھی، اس لئے ملک کی آزادی کے بعد تو لوگ عہدوں کے بٹوارے میں لگ گئے، اور ہم نے یہ کہہ کر اپنا دامن سمیٹ لیا کہ ہمارا مقصد تو صرف انگریزوں کو اس ملک سے مار بھگانا اور بس! اس کے بدلے ہمیں اعزاز یہ ملا کہ ہمیں ذلیل ورسوا کیا گیا، ہمیں چن چن کر قتل کیا گیا، ہندی، ہندو ہندوستان، ملا بھاگو پاکستان کا نعرہ دیا گیا۔ مدارس ومساجد کو نشانہ بنایا گیا، حقوق کو چھوڑیئے ہمارے وجود پر سوالیہ نشان لگایا گیا۔

ظالم وجابر طاقتوں سے ہم وہی کہنا چاہتے ہیں جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے انگریزی فوج اوراس کی فولادی طاقت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

لئے پھرتی ہے بلبل اپنی چونچ میں گُل ☆ شہید ناز کی تربت کہاں ہے
کھلونا سمجھ کر نہ برباد کرنا ☆ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

khalidanwarpurnawi@gmail.com
9934556027

جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں

ڈاکٹر سیّد احمد قادری

ہندوستان پر زبردستی قابض ہونے والے اور ہندوستانیوں کو اپنا غلام بنانے والے انگریزوں کے خلاف جہد مسلسل میں یہاں کے مسلمانوں کا جو رول رہا اور ان مسلمانوں نے اپنے اُوپر ہونے والے ظلم و بربریت اور قتل و غارتگری کے خلاف جس طرح نبرد آزما رہتے ہوئے ملک کو ان کے ناپاک چنگل سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سب واقعات، سانحات اور حادثات ہمارے ملک کی تاریخ کا اہم حصہ ہیں، جو سنہری حروف میں لکھے گئے ہیں۔

اس امر سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے اور جاننے والے بھی بخوبی واقف ہیں کہ آزادئ ہند کیلئے ملک کے مسلمانوں نے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں۔ ہم اس بات سے قطعئ انکار نہیں کر سکتے کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اہل وطن کی بھی قربانیاں رہی ہیں۔ لیکن جنگ آزادی کی بھرپور اور غیر متعصّبانہ تحقیق کی جائے تو یہ بات پوری طرح عیاں ہو جائیگی کہ مسلمانوں کی قربانیاں ان کے مقابلے کہیں زیادہ رہی ہیں۔ اس کی وجہ بہت واضح ہے کہ جس وقت ملک پر انگریزون نے اپنا تسلط قائم کیا تھا، اس وقت یہاں مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور انھیں دھیرے دھیرے بے دست و پا کر انگریزوں نے ملک پر ناجائز اور ناپاک قبضہ کیا تھا، اس لئے انگریزوں کی نگاہ میں یہاں کے مسلمان ہی ان کیلئے دشمن نمبر ایک تھے۔ اسے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ 1857ء کا غدر جو باضابطہ انگریزوں کے خلاف پہلی کھلم کھلا بغاوت تھی، گرچہ بظاہر یہ بغاوت ناکام ہوئی، اور اس بغاوت کی پاداش میں اس وقت 106 مسلمانوں کو پھانسی دی گئی تھی، 29 مسلم مجاہد آزادی کو عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ لیکن اس بغاوت سے یہ ضرور ہوا کہ انگریز حکمرانوں کے ظلم و تشدد اور بے رحمانہ سلوک سے جو خوف غالب تھا، وہ کسی حد تک دور ہوا اور حکومت برطانیہ سے نجات کی کوششوں میں تیزی آتی گئی۔ اس بغاوت کے بظاہر اثرات کے کم ہو جانے کے بعد دلی شہر کے شہریوں نے واپس آنا شروع کیا، تو اس وقت ان شہریوں میں ہندوؤں کو واپس آنے کی پہلے اجازت دی گئی اور ان کے بعد مسلمانوں کو 18 / اپریل 1858ء کو اپنے شہر واپس آنے کا حکم دیا گیا، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اپنی

جائداد کا25 فی صد ٹیکس انگریز حکومت کو ادا کریں۔اس طرح کے کئی ایسے واقعات سامنے آئے، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی نگاہ میں سب سے بڑے اور سامنے کے دشمن بھارت کے مسلمان ہی ہیں۔ یہی وجہ تھی انگریزوں کے ہمیشہ خاص نشانہ بھارت کے مسلمان ہی رہے۔ان پر ظلم وزیادتی کی انتہا ہوتی رہی۔ انھیں کبھی توپ کے دہانے سے باندھ کر اڑایا گیا اور کبھی سینکڑوں کی تعداد میں علماً اور عام مسلمانوں کو ان کے حکم عدولی پر پھانسی دی گئی۔اس دور کے مجاہدین آزادی کے ایسے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔1857ء کے انقلاب کے بعد آزادی کے متوالوں کا یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا اور 1921ء میں احمد آباد کانفرنس میں یہ حسرت موہانی ہی تھے، جنھوں نے ''مکمل آزادی'' کی پہلی بار تجویز رکھی تھی، جسے شدومد کے ساتھ موتی لعل نہرو اور مہاتما گاندھی نے 1929ء میں آخرکار مانا تھا۔یہ حسرت موہانی ہی تھے جنھوں نے 1940ء میں کانپور کے مزدوروں کے ایک جلوس کی رہنمائی کرتے ہوئے پہلی بار ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ دیا تھا۔آج ہم بڑے فخریہ انداز میں ملک کیلئے سرفروشی کی بات کرتے ہیں اور ''سرفروشی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے، دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے۔'' سنا سنا کر مجاہدین آزادی کے دلوں میں ملک کیلئے محبت اور سرشاری کا جزبہ جگانے کیلئے جھوم جھوم کر ایسے اشعار سنایا اور گایا کرتے تھے۔اس کے تخلیق کار بھی بسمل عظیم آبادی تھے اور آج بھی پورے ملک میں ہر وقت اپنے ملک سے اپنی محبت اور وابستگی کے اظہار کیلئے لوگوں کی زبان پر ''جئے ہند'' جیسے الفاظ آزاد ہند فوج سے تعلق رکھنے والے عابد حسین صفرانی کا ہی دیا ہوا ہے۔

ملک کیلئے انگریزوں کا قہر و بربریت کا شکار ہونے والے، ہنستے ہنستے دار پر چڑھنے والے، جیل کی اندھیری کوٹھریوں کو آباد کرنے والے، اپنے جسم و دل پر زخموں کا پھول سجانے والے ایسے مسلمانوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ایسے مجاہدین آزادی پر ایک اچٹتی سی بھی نظر ڈالیں، تو ہمیں بے اختیار ٹیپو سلطان، حیدر علی خاں، عظیم اللہ خاں، بدرالدین طیب جی، رحمت اللہ ایم سیانی، پیر علی، شیخ بھکاری، شیخ محمد گلاب، بی اماں، شوکت علی، محمد علی، شیر علی، مولانا منصور انصاری، محمد اشفاق اللہ خاں، پروفیسر عبدالباری، سیف الدین کچلو، مولانا حفظ الرحمٰن، محمد سلیمان انصاری، خالد سیف اللہ انصاری، شفیق الرحمٰن قدوائی، حکیم اجمل خاں، حضرت محل۔قاضی محمد حسین، مظہر الحق، مختار احمد انصاری، آصف علی، حاجی بیگم، مولانا عبدالرحیم صادقپوری، مولانا احمد اللہ صقادقپوری، دلاور خاں، سر سید سلطان احمد، محمد یونس، ڈاکٹر سید محمود، ابومحمد ابراہیم آروی، شاہ محمد زبیر،

مغفور احمد اعجازی، مسٹر عبد اعزیز، سر سید محمد فخر الدین، سر علی امام، کرنل محبوب احمد، پیر محمد یونس، وارث علی، مولانا ابوالکلام آزاد، رفیع احمد قدوائی، مولوی محمد جعفر، مولانا برکت اللہ بھوپالی، مولانا یحییٰ، عبیداللہ سندھی، عطاءاللہ شاہ بخاری، مولوی عبدالغنی ڈار وغیرہ جیسے سینکڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ایسے مسلمانوں کے نام ہیں، جنھوں نے نہ صرف 1857ء کے غدر، میں بلکہ نمک ستیہ گرہ تحریک، ہندوستان چھوڑو تحریک، کاکوری کیس، قصہ خوانی بازار میں، جلیان والا باغ کے خونی واقعہ، ناگپور جھنڈا تحریک وغیرہ میں اپنے ایثار وقربانیوں سے ایسی حب الوطنی کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں کہ بعض حقیقت پسند انگریز تاریخ دانوں نے بھی ان کے ایسے کارناموں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہے۔

ان دنوں ملک میں جس طرح کا متعصّبانہ رویہ مسلمانوں کے تئیں اپنایا جارہا ہے اور مسلمانوں کی شاندار تاریخ کو منصوبہ بند اور منظّم طریقے سے مسخ کر ایک نئی تاریخ لکھنے کی کوششیں ہورہی ہیں اور اس کیلئے جیسے جیسے متعصب تاریخ دانوں کے نام سامنے آرہے ہیں، وہ ظاہر ہے ملک کی تاریخ کو مسخ کر اپنے زعفرانی منصوبوں پر عمل کرتے ہوئے، ایسی تاریخ مرتب کرینگے، جو ہر حال میں ''مسلم مکت'' تاریخ ہوگی۔ فرقہ پرستوں کی جانب سے ایسی کوششیں پہلے بھی ہوئی ہیں، لیکن ایسا کرنے میں انھیں زیادہ کامیابی نہیں ملی تھی، لیکن اب وقت اور حالات ان کے موافق ہیں، اس لئے ایسے لوگ اب اپنے زعفرانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کسی حد تک کامیاب ہوسکتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ اس وقت ایسے تاریخ داں جو ان متعصب تاریخ کو کالعدم قرار دے سکتے تھے، وہ ابدی نیند سو چکے ہیں۔ ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ریاستی پیمانے پر تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے مصنفین اپنی اپنی ریاستوں کی پوری تاریخ تحقیقی حوالوں کے ساتھ لکھیں اور شائع کرائیں۔ یہ نہایت ضروری ہے۔ اس وقت اگر ہم نے ان تاریخی فرائض سے کوتاہی کی تو یقین جانیں کہ ''ہماری داستان تک نہ ہوگی تواریخ میں''۔ ❍❖❍

ماہنامہ ندائے قاسم؛ ایک خاموش تحریک

اس تحریک سے جڑیئے، اور ہمارا معاون بنئے!

دینی، علمی اور اصلاحی مضامین پر مشتمل حالات حاضرہ وے باخبر رہئے!

جھانسی کی رانی لکشمی بائی ہندوستانی عورتوں کیلئے ایک مثال!

تحریر:--**آمنہ پروین مالیگاؤں**

جس طرح سے ہندوستانی نوجوانوں نے جنگِ آزادی میں قربانیاں دی ہیں، جدوجہد کی ہے، اسی طرح ہندوستانی عورتوں نے بھی جنگ آزادی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستانی عورتوں کی جرأت اور بہادری کی گواہی دیتے کارنامے؛ تاریخ کے اوراق میں سنہرے الفاظ میں درج ہیں۔ ہندوستانی عورتیں جنہوں نے تلوار اٹھائی ہے اور جنگیں فتح کی ہیں یا پھر شہادت کا جام نوش کیا ہے، وہ اس جنگ میں مردوں کے مقابلے میں برابر کی شریک ہیں۔ ہندوستان میں انگریزوں کی جو ظالمانہ حکومت تھی۔ 1857ء سے لے کر 1947ء تک ہندوستانی عوام نے فرنگی حکومت کے ظلم وستم اور جبر و بربریت کے خلاف جو احتجاج اور جنگ لڑی ہیں اُن جنگوں میں عورتوں نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ انہوں نے انتہائی ہمت و بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا ہے اور ہمیشہ اپنے بھائیوں کے ساتھ قدم بہ قدم رہی ہیں۔ لیکن ان عورتوں میں کچھ بہت ہی عظیم جرأت منداور بہادر عورتیں بھی تھیں جنہوں نے اپنا نام تاریخ میں قید رقم کیا، جو شاید ہندوستانی ماؤں کیلئے مثال بن چکی ہیں، انہیں عورتوں میں ایک نام ہے جھانسی کی رانی لکشمی بائی کا۔

رانی لکشمی بائی جھانسی کی وہ شیر دل ملکہ تھی کہ جنہوں نے ہندوستان کی پہلی تحریکِ آزادی یعنی 1857ء کی کرانتی میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ فرنگی حکومت کی ظلم وستم کے خلاف ہندوستانی مزاحمت کی اہم علامت سمجھی جاتی ہیں۔ ایک ایسی علامت کہ جس میں شجاع، بہادری و جانبازی اور ہمت وقربانی کا رنگ انتہائی گہرا ہے۔

رانی لکشمی بائی کی ولادت غالباً 19 رنومبر 1828ء کو کاشی میں ایک برہمن ہندو پریوار میں ہوئی تھی۔ کاشی کو موجودہ وقت میں وارانسی کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام مورو پنت اور والدہ کا نام بھا گیرتھی تھا۔ آپ کی والدہ انتہائی متمدن، باتہذیب، ذہین اور خدا ترس عورت تھی۔ آپ کا اصل نام مانی کرنیکا تھا۔ لوگ آپ کو بچپن میں پیار سے منو بائی کہتے تھے۔ آپ کو دنیا میں آئے ابھی چار سال ہی گزرے تھے کہ آپ کی والدہ اس جہاں فانی سے کوچ کرگئی۔

منوبائی کی پرورش اور تعلیم وتربیت پیشوا باجی راؤ کے یہاں ہوئی۔ پیشوا اُسے پیار سے چھبیلی کہہ کر مخاطب

کرتے تھے۔منوبائی کوتعلیم وتربیت کے وہ تمام مواقع ملے جوراج کماروں اورراج کماریوں کیلئےمخصوص ہوتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے شمشیرزنی،نشانہ بازی اورگھوڑسواری اوردوسرے فنون حرف کی تربیت بھی ملی۔

منوبائی آٹھ دس برس کی عمر میں راج کمار نانا صاحب اوران کے شکاری عملے کے ساتھ شکار پر جانے لگی۔ اس کی بندوق کا نشانہ کبھی خطا نہ جاتا تھا۔لوگ اس کی چستی دیکھ کر حیرت زدہ ہوجاتے تھے۔

سن 1842ء میں 14 رسال کی عمر میں ہی آپ کی شادی راجا گنگا دھر راؤ نوا لکار سے ہوئی جو جھانسی کے مہاراجہ تھے۔شادی کے بعد آپ کا نام رانی لکشمی بائی رکھا گیا۔ 1851ء میں آپ کے یہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی مگر بدقسمتی سے وہ چار مہینوں سے زیادہ نہ جی پایا۔

سن 1853ء میں راجہ گنگا دھر راؤ کی طبعیت ناساز ہونا شروع ہوئی تو انہیں ایک بچے کو گود لینے کی صلاح دی گئی۔گود لینے کے بعد 21رنومبر 1853ءکواس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔

راجہ گنگادھر راؤ کے گزر جانے کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے ریاست کو ہتھیانا چاہا لیکن انگریزوں کی توقع کے خلاف جھانسی اس طرح لقمہ تر ثابت نہیں ہوئی۔جس طرح لارڈ ڈلہوزی کئی دیسی ریاستوں کو ہڑپ کر چکا تھا۔راجہ کی نوجوان بیوہ رانی لکشمی بائی نے انگریزوں کی طاقت کو للکارتے ہوئے جنگ کے میدان میں اسے لوہے کے چنے چبائے۔

یوں تو رانی کے بہت سے جنگی کارنامے ہیں،لیکن آخری معرکہ ہمیشہ کیلئے امر ہوگیا۔ 18رجون 1858ءکوانگریز پھرجھانسی پرحملہ آور ہوئے جب رانی کو حملے کی اطلاع ملی،تو اس نے مختصر فوج کے ساتھ اس حملہ کا بھرپور جواب دیا۔مردانہ لباس میں وہ دشمن پر موت بن کر ٹوٹی۔ایک موقع پر وہ دشمنوں کے نرغے میں آگئی،مگر اپنی تلوار کی طاقت سے یہ نرغا توڑا اورگھیرے سے نکل آئی۔وہ جلد از جلد مجاہدین کی فوج تک جانا چاہتی تھی۔راستے میں ایک نہر نما نالہ تھا۔رانی کا نیا گھوڑا اسے عبور نہ کرسکا۔اِدھر گھوڑا نہر کے کنارے کھڑا تھا اُدھر انگریزی فوج آ پہنچی۔ایک انگریز سپاہی نے پیچھے سے تلوار چلائی،سر پروار ہوا،آنکھ باہر آگئی، اس حالت میں بھی رانی گھوڑے پر سوار تلوار چلاتی رہی۔مزید کئی وار سینے پر،کندھے پر،بازو پر کئے گئے، موت سامنے تھی لیکن رانی نے آخری سانس تک یہ مقابلہ جاری رکھا۔ڈوبتی آواز میں رانی لکشمی کے آخری الفاظ یہ تھے:''میری لاش انگریز کے ناپاک ہاتھ نہ چھونے پائیں۔''ایک ہچکی آئی اور سب کچھ ختم ہوگیا۔

جھانسی کی رانی لکشمی بائی کا نام اپنی لازوال قربانی،آج کی خواتین کی غیرت،سوجھ بوجھ،فراست اور بہادری کی وجہ سے تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کیلئے رقم ہوگیا۔ ❍❖❍

ترانۂ ملی!

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
اے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں پر جب آشیاں ہمارا
اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیر ادریا افسانہ خواں ہمارا
اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا
سالار کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا
اقبالؔ کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

علم وادب کا گہوارہ، مرکزی اور تعلیمی ادارہ؛ جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

صوبہ بہار کی راجدھانی شہر پٹنہ جس کا قدیم نام عظیم آباد، کبھی پاٹلی پترا تھا، ہمیشہ سے علم وادب کا گہوارہ اور اپنے شاندار ماضی کا مالک رہا ہے؛ مگر اس کے باوجود یہاں اکابر دارالعلوم دیوبند کے مطابق کوئی علمی اور مرکزی ادارہ نہیں تھا، اس کی ضرورت کافی دنوں سے شدت سے محسوس کی جارہی تھی، جب فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ، سابق صدر جمعیۃ علماء ہند نے جمہوری کنونشن منعقدہ 1986ء بمقام انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ کے موقع پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کو ریاستی دینی تعلیمی بورڈ بہار وجھارکھنڈ کا صدر منتخب فرمایا، تو حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اپنے اکابرواسلاف کے نمونے کے مطابق ریاست بہار کے خطہ خطہ کا دَورہ کیا اور انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جگہ کی تلاش شروع کردی۔ چنانچہ ہر چہار جانب گردش لیل ونہار کے بعد بمقام ''سبل پور'' 50/کھٹہ زمین جناب جمیل احمد مرحوم سابق ایم ایل اے کے صاحبزادہ جناب سمیع احمد صاحب اور اُنکے دیگر بھائی، بہنوں اور چیف جسٹس جناب خلیل احمد مرحوم کے صاحبزادہ انجینئر امیر احمد اور ان کے دیگر بھائی، بہنوں کے توسط سے حاصل کیا۔ واضح رہے کہ ان کے آباء اَجداد نے اِسی مقصد کے تحت اِس زمین کو علیحدہ کیا تھا، اِن لوگوں نے برضاورغبت یہ کہتے ہوئے زمین ہمیشہ کیلئے مولانا کے حوالہ کردیا کہ یہ آپ کا احسان ہے ہمارا نہیں، پھر 1989ء میں حضرت مولانا نے ''جامعہ مدنیہ'' کی بنیاد رکھی، جس کے افتتاح کے وقت حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند اور عمائدین شہر پٹنہ بنفس نفیس موجود تھے۔ 1990ء میں بھاگلپور کے فساد زدہ مظلومین کے 4/بچوں کے ذریعہ تعلیم کا آغاز کیا اور اس کی تعمیر وترقی کیلئے پوری جدوجہد کی۔ چنانچہ بانی جامعہ کی محنت وجدوجہد کے نتیجہ میں جامعہ نے 25/ سال کے قلیل عرصہ میں ہر اعتبار سے کافی ترقی کیا اور صوبہ بہار کا ایک مثالی ادارہ بن کر اُبھرا ہے۔ ادارہ کی معیاری تعلیم کی وجہ سے صوبہ بہار کے تمام اضلاع سے بحمداللہ جامعہ میں 700/بیرونی طلبہ 45/اساتذہ کی نگرانی میں دینی، عصری تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں، تمام طلبہ کے طعام وقیام، علاج ومعالجہ اور دیگر ضروریات کا انتظام منجانب جامعہ کیا جاتا ہے، اب تک ہزاروں طلبہ نے فارسی، عربی کی تعلیم مکمل کرکے مادر علمی دارالعلوم دیوبند ودیگر مؤقر درسگاہوں میں داخلہ لیکر سند فراغت حاصل کیا اور مختلف مقامات پر دینی تعلیم کی اشاعت وترویج میں ہمہ تن مصروف ہیں، اور آج بھی یہاں کے فیض یافتہ طلبہ کی کثیر تعداد دارالعلوم دیوبند میں مختلف درجات میں داخل درس ہیں جس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

جامعہ مدنیہ ایک ادارہ نہیں؛ ایک مشن ہے، ایک تحریک ہے، جامعہ کے تحت مختلف مکاتب کے ذریعہ گاؤں، دیہاتوں میں قرآن کریم کا چراغ روشن ہورہا ہے، 14/اساتذہ اس چراغ کو روشن کئے ہوئے ہیں، توکل علی اللہ اور آپ کا تعاون ہی اس کا سرمایہ ہے۔

جامعہ مدنیہ کا ترجمان: ماہنامہ ندائے قاسم صرف ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ یہ خاموش تحریک بھی ہے، جس کا مقصد ہر گھر میں دینی معلومات فراہم کرنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پیغام کو عام کرنا، اعلائے کلمۃ اللہ اس کے اہم مقاصد ہیں۔ آپ سے گذارش ہے کہ اس تحریک میں اپنے آپ کو شریک کرکے ہماری معاونت فرمائیں!

انگریز کی نگاہ میں جو بہت زیادہ مجرم ہوتا اسے ''کالے پانی کی سزا'' دی جاتی، انگریز مخصوص مسلمانوں کو یہ سزا دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ ''کالے پانی بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ مجرم اپنے وطن، اپنے گھر، اپنے دوست، اپنے احباب، عزیز واقارب، اپنے خاندان اور اپنے بیوی بچوں کیلئے زندہ رہتے ہوئے بھی مرجاتا تھا اور ایسی گھٹ گھٹ کر زندگی گذارنے پر مجبور ہوتا تھا کہ موت کو اپنی زندگی پر ترجیح دینے لگتا تھا، ہندوستان کے مشاہیر علماء ومشائخ، رؤساوامراء جن کی راہوں میں عوام آنکھیں بچھاتے تھے جن کے اعزاز و احترام کا عالم یہ تھا کہ مسلمانوں میں ان کو سر اور نکھوں پر بیٹھایا جاتا تھا، خوشحال گھرانوں کے افراد جن کی خدمت کیلئے ہمیشہ نوکروں کی پلٹیں رہتی تھی، ایسے معزز رؤساء علماء ومشائخ کو جزیرۂ انڈمان'' کالے پانی کی'' مسموم فضا میں بھیجا جاتا تھا، جہاں ان سے ذلیل سے ذلیل کام لیا جاتا تھا۔

یہ جزائر درحقیقت بڑے بڑے قید خانے تھے جس میں چہار دیواریاں اور فصلیں تو نہیں تھیں لیکن چاروں طرف حد نگاہ تک سمندر کی لہریں مارتا رہتا تھا، ان جزیروں میں ان معزز ومحترم شخصیتون سے لکڑیاں کٹوائی جاتی تھیں، سڑکیں بنوائی جاتی تھیں، نالیاں اور گندگیاں صاف کرائی جاتی تھیں، کوڑے کرکٹ کے ٹوکریاں ان کے سروں پر لادکر پھنکوائی جاتی تھیں، مولانا فضل حق خیرآبادی جو علمی دنیا میں بے تاج کے بادشاہ تسلیم کئے جاتے تھے لیکن جب ایک شخص جزیرہ انڈمان میں ان کی ملاقات کیلئے پہونچا تو دیکھا کہ علامہ غلاظت کی ٹوکری اٹھائے ہوئے پھینکنے کیلئے جارہے ہیں، جزیرے انڈمان میں تمام مسلمان قیدیوں سے اسی طرح کے جبری کام لئے جاتے تھے، انگریزوں نے کتنے مسلمان مجاہدین آزادی کو جزیرہ انڈمان بھیج کر کالے پانی کی سزادی، ان کی فہرست بتانی مشکل ہے، مگر تاریخ کے جستہ جستہ واقعات کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھی، کیونکہ مولانا جعفر احمد تھانسیریؒ اپنی خود نوشت ڈائری میں بتاتے ہیں کہ جب مولانا یحیٰ علی صادقپوری کی جزیرے میں وفات ہوئی ہے تو ان کی تجہیز وتکفین میں شرکت کی افسران نے اجازت عام دے دی تھی، ان کی نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد چار اور پانچ ہزار کے درمیان تھی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے ملک بھر سے چار پانچ ہزار مسلمان مجاہدین آزادی کو گرفتار کرکے کالا پانی بھیج دیا تھا۔ (تحریک آزادی اور مسلمان/۳۶)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی، دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا، ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا
اے آب رود گنگا، وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا
اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا